نظامی بدایونی

یعنی

سوانح حیات مولانا نظام الدین حسین نظامی بدایونی

بانی اخبار ذوالقرنین و نظامی پریس بدایوں

مرتبہ

محمد احمد صاحب کاظمی

بی۔ایس سی۔ال۔ال۔بی ایڈوکیٹ الہ آباد و سابق ایم۔ایل۔اے (منسٹرل)

سنہ ۱۹۴۹ء

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

قیمت فی جلد — دو روپیہ

نظامی بدایونی

مولانا نظامی مرحوم و مغفور ہماری گذری ہوئی تہذیب کی دو چار بقیہ یادگاروں میں سے ایک تھے۔ ہم "پرانے زمانے کے لوگ" جو اس نئی دنیا کے ساتھ کچھ زیادہ نئے نہ بن سکے ان یادگاروں کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ مگر جدید اصطلاح میں تو یہ ہماری قدامت پرستی ہے! خدا جانے یہ تمنا بھی پوری ہوگی یا نہ ہوگی — نہ ہونے کے امکانات زیادہ ہیں! — کہ ہمارے بعد آنے والے بھی قدیم تہذیب و اخلاق کے ان نمونوں کو یاد رکھیں۔ شاید ہمارا یہ نظریہ بھی اب غلط ہو چکا ہے کہ فکر و نظر کی وہی عمارتیں مضبوط ہو سکتی ہیں جو قدیم بنیادوں پر کھڑی کی جائیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس زمانے کے سننے والوں کو یہ بات کچھ فرسودہ سی معلوم ہوگی!! لیکن کیا کیجئے کہ ہم جیسے لوگ اب بھی اپنے ماضی میں سانس لینے پر اصرار کرتے ہیں اور مستقبل کو اسی ماضی کے آئینہ میں دیکھنا چاہتے ہیں — کس قدر رجعت پسند ہیں ہم لوگ!! اور کس قدر ناواقف ہیں نئی دنیا کی قدروں اور قیمتوں سے!

مولوی محمد احمد کاظمی صاحب نے مولانا نظامی مرحوم کے حالات ۷۵ صفحات کی اس چھوٹی سی کتاب میں جمع کیے ہیں۔ اُسے مولانا کے فرزند مولوی اجیب الدین صاحب نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا بڑا حصہ

مولانا مرحوم کی شخصی سیرت اور قومی خدمات کے اذکار پیش کرتا ہے۔ لیکن تفصیلات سے قطع نظر ان اوراق میں وہ جو ایک عکس ہم مولانا مرحوم کے زمانہ کی قومی زندگی کا دیکھتے ہیں وہی سب سے زیادہ دیکھنے کی چیز ہے۔ سوچنا اور سمجھنا یہ ہے کہ زندگی کا وہ نقشہ کیا تھا جس میں مخلص کارکن قومی خدمت اس طرح کرتے تھے کہ نہ تو ان کی بلند آواز کوئی سنتا تھا اور نہ اُن کی خدمات کی تشہیر میں کاغذ اور سیاہی کا صرفہ کچھ زیادہ ہوتا تھا۔ برخلاف اس زمانہ کے جب حلق سے پھیپھڑوں کی پوری طاقت کے ساتھ آواز کا نکلنا ضروری ہے اور قومی کاموں کی تکمیل کے لئے تشہیر و اشاعت ناگزیر ہے۔ چاہے کاموں کی تکمیل نہ ہو لیکن یہ کیا کم ہے کہ تشہیر و اشاعت کی تکمیل میں کوئی کمی نہیں رہ جاتی !!

میں نے اس کتاب کا مطالعہ اسی نظر سے کیا کہ اس کے اوراق میں ایک داستان پاستان کی دل آویز تصویریں ملتی ہیں جب قومی کام کرنے کا ڈھنگ ہی کچھ اور تھا اور کام کرنے والوں کا بھی رنگ کچھ اور تھا ! اب عمل میں وہ پُرتمکین خاموشی کہاں۔ پھر یہ بھی تو دیکھئے کہ اُن لوگوں کی خاموش جدوجہد کی داد دینے والے بھی اب کہاں۔ اب تو خیر یہ عمل میں دسیل محکم صرف نقاروں ہی کی آواز ہو سکتی ہے ! بغیر ان نقاروں کے عمل کا میدان ویران ہے۔ نظامیوں اور طفیل احمدوں کے زمانہ میں نہ تو کوئی قلمدان وزارت تھا، نہ ایسے عہدے تھے نہ کونسلوں کی ممبری کا یہ کچھ ہنگامہ تھا ــــ ان لوگوں نے تو گویا بیکار اپنی ساری عمر قومی کاموں میں گذاری۔ اور خدا کے بندوں کے لیے تو (آجکل کے معیار کے مطابق) اس روزگار میں خسارہ ہی خسارہ تھا ! بڑی کھوٹ اُن کی زندگی میں یہ تھی کہ وہ اس نئے سانچے میں نہ ڈھل سکے ــ اور یہی اُن کی

زندگی کا حقیقی جوہر بھی تھا! میں تو جب عمل کے نام سے اس بے عملی کی افتاد کو دیکھتا ہوں تو ایسے تمام طفیل احمد اور نظامی یاد آتے ہیں ۔ اور اکثر یاد آتے ہیں !

اس کتاب کے پڑھنے والوں کی گنتی کا میں کچھ اندازہ کر سکتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر اس زمانے کا کوئی لیٹرری درجہ اوّل یا دوم یا سوم ۔ دو چار صفحات پڑھ لینے سے پہلے کتاب کو بند کر کے ڈال نہ دے تو یہ گویا اس کا احسان ہوگا ۔ مولف اور ناشر پر !

بہرحال اپنا تو حال یہ ہے کہ میرے تصور میں گذری ہوئی روحیں گویا کسی صحرا کے پرندے ہیں جو اپنی چونچ میں چند بیج لیکر ہوا میں اڑتے ہیں اور کہیں کہیں اون بیجوں کو گراتے چلے جاتے ہیں ۔ زمانہ گذر جاتا ہے، قرن اور صدیاں گذر جاتی ہیں، پھر اگر کسی جگہ کسی بیج نے زرخیز زمین پالی ہے تو اوس سے ایک درخت پیدا ہوتا ہے، پھر اُس درخت کے بیجوں سے ہزارہا درخت پیدا ہوتے ہیں، پھر جو انسانوں کی ایک نسل آتی ہے تو " وہ ایک سرسبز اور گھنا جنگل دیکھتی ہے اور نہیں جانتی کہ اس جنگل کا آغاز وہ ایک ذرا سا بیج تھا جو کسی اڑتے ہوئے پرندے کی چونچ سے گرا تھا ! کام کرنے والے اپنا کام کر جاتے ہیں اور اُن کے بعد والے جانتے بھی نہیں کہ یہ تخم ریزی کس نے کی تھی ۔ لیکن کیا آنے والی نسلوں کی اس بے خبری سے اون کے عمل کی قیمت کم ہو سکتی ہے ؟ ہر عمل کی قیمت اُس کے ساتھ ہے ضروری نہیں کہ اس جنس پر کسی کے نام کا لیبل بھی لگا ہو ! ہم اُوسے دیکھ نہ سکیں لیکن زندگی کے جنگل کے ہر پتے پر کوئی نہ کوئی مہر لگی ہوئی ہے ۔ البتہ ہر نظامی اور طفیل احمد کی روح اس بات سے بے پروا ہو کر

نظامی بدایونی

کہ کسی نے اونہیں یاد رکھا یا نہ رکھا!

جانتا ہوں کہ یہ جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ کبھی بھلا جانے والا ہے!
بہتے دریا پر کاغذ کی کوئی کشتی بہت دیر نہیں تیر سکتی! اور یہ میرا لکھا بھی ایک کاغذ کی کشتی ہے۔ زندگی کے جس موج خیز دریا میں بڑے بڑے جہاز ڈانواں ڈول ہوں وہاں ایسی کاغذی کشتیوں کی کیا حقیقت!

بہرحال احمد الدین صاحب کی فرمائش تھی جسے میں نے پورا کر دیا۔

محمد عبدالغفار
نئی دہلی

۲۵ر دسمبر ۱۹۷۴ء

گذارش

ویسے تو اب سوانح نگاری خود ایک الگ فن کی حیثیت اختیار کر چکی ہے آجکل تذکرہ نویسی کا جدید ترین اصول یہ ہے کہ تذکرہ نویس کا کام صرف صاحب تذکرہ کے ظاہری کارنامے گنانا اور اس سے متعلقہ واقعات کا ایک تسلسل کے ساتھ بیان کرنا ہی نہیں بلکہ اُس کی شخصیت کو بے نقاب کرنا اور اُس کی نفسیاتی ساخت کی ایک روشن اور واضح تصویر کھینچنا ہے تاکہ پڑھنے والا یہ محسوس کر سکے کہ واقعات کے انبار میں صاحب تذکرہ کی شخصیت گم ہو گئی ہے بلکہ اس کی دلچسپی بڑھتی رہی۔ یہ تو رہا ادبی نقطۂ نگاہ مگر سوانح نگار کو یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ سوانح حیات کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ آیندہ نسلوں کے لیئے ایک سبق کا کام دے سکے۔

بادشاہوں، نوابوں، راجاؤں اور جاگیرداروں یا دوسرے علوم میں غیر معمولی درجہ رکھنے والے لوگوں کے سوانح حیات اگرچہ تاریخی اور علمی نقطہ نگاہ سے ضروری ہیں کیونکہ ان سے ملک کی اور علوم کی تاریخ بنتی ہے۔ لیکن وہ بڑے لوگوں کی غیر معمولی پوزیشن یا دماغی قابلیت کی تاریخ ہونے کی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگوں میں کوئی امنگ پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لیئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس نہ کوئی سلطنت ہے اور نہ کوئی جاگیر نہ قدرت نے ان کو کوئی غیر معمولی

دماغ دیا ہے اور نہ ان کے پاس کوئی دوسرے ذرائع ہیں جن سے وہ ان بڑے لوگوں کے راستہ پر چل سکیں۔ بلکہ بعض بعض صورتوں میں تو ایسی ہستیوں کے حالات ان کو اپنی پستی کی طرف توجہ دلا کر ان کی ہمت بڑھانے کے لیے کچھ زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوتے۔ لیکن اس کے برخلاف جب ہم ایسے افراد کے نمونے پیش کرتے ہیں جو کسی متوسط الحال گھرانے میں پیدا ہوئے ہوں جن کو نہ تو اپنے آبا و اجداد سے کثیر مال و دولت یا جائداد ملی ہو اور نہ اعلیٰ تعلیم کے مواقع ہی حاصل ہوئے ہوں۔ بلکہ انھیں ثانوی تعلیم کے بعد ہی زندگی کی کشمکش میں گرفتار ہونا پڑا ہو اور باوجود ان رکاوٹوں اور دقتوں کے وہ اس زندگی میں کامیاب ہوئے ہوں، آزادانہ زندگی بسر کی ہو اور قومی اور ملکی خدمات انجام دینے میں آگے آگے رہے ہوں، تو وہ ان کے حوصلے بڑھانے اور ان میں ترقی کی امنگیں پیدا کرنے میں بہت کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ کامیابی کے لئے خلوص۔ نیک نیتی۔ یکجہتی اور ملکی اور قومی جذبہ ضروری ہے۔ اور وہ ان خوبیوں کے حصول کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

اسی مقصد کے پیش نظر میں نے مولانا نظامی مرحوم کی یہ مختصر سوانح حیات ترتیب دی ہے۔ اور اس کی تکمیل کو ایک مفید اور کارآمد کام سمجھتا ہوں۔ علمی اور ادبی دنیا ہی میں نہیں بلکہ سیاسی اور قومی میدان میں بھی مولوی نظام الدین حسین نظامی مرحوم کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انھوں نے سرکاری ملازمت ترک کر کے صحافتی دنیا میں قدم رکھا اور اخبار نویسی کا آزاد پیشہ اختیار کیا۔ اس زمانہ میں جبکہ بدایوں ریل سے دور ہونے کی وجہ سے ایک گوشہ میں پڑی ہوئی بستی کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اخبار کے اغراض کے لیے کوئی بہت موزوں مقام نہ تھا اور پھر ایسے شخص کے لیے جس کی زندگی کا آغاز ہوا اور جس میں اس میدان میں

آگے بڑھنے کے لیے اور امنگیں ہوں لیکن مولانا نظامی مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جو مواقع کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ خود اپنے لیے مواقع پیدا کرتے ہیں۔ خدا پر بھروسہ کرکے انھوں نے بدایوں ہی میں کام شروع کر دیا اور بالآخر اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہوئے۔ اپنی وفات کے وقت انھوں نے ایک بڑا مطبع، زبردست لائبریری، موقر اخبار، تعلیم یافتہ اور ہوشیار افراد کا ایک باعزت کنبہ چھوڑا۔ ادبی حیثیت سے بھی مولانا نظامی مرحوم نے ایک مخصوص درجہ حاصل کر لیا تھا۔ اُن کی ادبی خدمات کا اندازہ اُن کتابوں سے ہوتا ہے جو انھوں نے وقتاً فوقتاً تصنیف و تالیف کی ہیں جو مضامین انھوں نے اخباروں میں لکھے اگر ان کو یکجا کیا جائے تو بلا مبالغہ کئی ضخیم جلدیں مرتب ہو جائیں۔

شاعری، ادب، سیاست کوئی بھی میدان ان سے بچا ہوا نہ تھا۔ تعلیمی کام کے تو وہ اتنے دلدادہ تھے کہ اپنی بے انتہائی مصروفیتوں کے باوجود صوبہ یو۔پی کی مسلم تعلیمی کانفرنس کے سکریٹری کے فرائض بڑی کامیابی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ حقیقت میں کانفرنس کے روح رواں ہی وہ تھے جس کا اعتراف ان کے تمام ساتھی کام کرنے والوں نے کیا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب سے وہ اس کے سکریٹری ہوئے تو پھر اس کو سنبھالنے والا کوئی دوسرا نہ ملا۔ یہاں تک کہ وہ مرتے دم تک یہ فرض انجام دیتے رہے۔

مجھے امید ہے کہ میری یہ کوشش جہاں انکے دوستوں اور جاننے والوں کیلیے ایک مفید اور کارآمد یادگار ثابت ہوگی وہاں آیندہ نسلوں کے لیے ایک مشعل راہ کا کام دیگی اور اس سے مرحوم کی روح کے لیے ثواب کا ایک سلسلہ جاریہ قائم رہے گا۔

نیاز آگیں
محمد احمد کاظمی

۲۷-کاٹیور روڈ- الہ آباد

فہرست مضامین

ضروری گزارش ناظرین کتاب سے التماس ہے کہ مطالعہ کتاب سے پہلے صحت نامہ کے مطابق کتابت کی غلطیوں کی درستی فرما لیں۔ (مصنف)

صحت نامہ

نظمی پبلیکیشنز (محمد احمد ناظم) ۱۹۷۰ء

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱	۱۳۱۲ء	۱۳۱۲ھ	۳۶	۱	۱۰	۹
۴	۳	بابالیاں	بابالیوں میں	۳۹	۱۱	سر	صاحبزادہ
۱۳	۴	تیر	تیرا	۴۱	۱۹	یایہ	پایہ
۱۷	۱۴	رستہ	رستے تھے	۴۷	۸	چھپاری	چھتاری
۲۱	۱	عفویت	عقوبت	۴۵	۳	اصحاب	اصحاب کو بھی
۲۳	۱۷	تجالی	تجالیں	۴۸	۲۱	بیہ یقین	
۲۳	۱	ورکنگ سلیٹی	ورکنگ کمیٹی	۵۳	۱۰	ایجوکیسن	ایجوکیشن
۲۷	۱۹	دانوں	دونوں	۶۹	۱	آبا	آپ
۲۸	۳۰	وال باغیاں	دامان باغباں	۷۳	۸	کہا	کیا
۲۹	۱۵	میہوہ	مجوزہ	۷۵	۴	.	جوائنٹ
۳۰	۷	تیار	بینار	۸۲	۷	معرف	معترف
//	۱۱	۸	۷	۸۵	۱۷	مروحہ	مروجہ
۳۳	۳۱	تیا	بینا	۹۵	۱۱	مالوا	ناتواں
۳۳	سرورق	باب دوم	باب اوّل	۹۶	۴	مختارشب	مختارشپ
//	۲۰	۹	۸	۹۷	۶	یونیورسیٹیاں	یونیورسٹیاں
۳۳	سرورق	باب دوم	باب اوّل	۱۱۳	۳	سچکے	سچتے
۳۳	۵	ان نے	ان کے	۱۱۲	۹	بات	سیاست

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۶	۱۸	اکھاڑے لگے	اکھاڑے جینے لگے	۱۴۸	۱۳	اوکتا	اوکتا
۱۱۷	۲۱	عزیزان	عزیزوں	،،	۱۸	یادگار	یادداشت
۱۱۸	۱	ہاتھ	ساتھ	،،	۱۹	دانستن	دانستا
۱۱۸	۱۹	رز	زر	۱۵۳	۳	س	نے
۱۲۰	۱۱	برنارڈوہائن	برنارڈوہائن	۱۵۵	۲۰	ہے	بہے
۱۲۷	۳	درمیاں	درمیان	،،	،،	سوئی	سُوئی
۱۲۹	۱۱	انجانی	آنجہانی	۱۶۰	۱	گذرتے	گذرے
۱۳۰	۱۷	اوراکات	ادراکات	،،	۸	افاقیت	افادیت
،،	۱۹	درادت	واردات	۱۶۱	۸	وزراون	قدروں
۱۳۱	۱۵	متنبل	مستقبل	،،	۱۱	زر	جزو
۱۳۲	۱۳	ماہب	مذاہب	،،	۱۹	تن	نئی
،،	۱۶	حتمی	قلبی	۱۶۵	۶	ٹھاسکیں	ہٹا سکیں
۱۳۳	۱۲	ان کے	ان کے یہاں	۱۶۹	۱۴	علمی	عملی
۱۳۴	۱۰	بنیا	مینا	۱۷۲	۱۳	دے	میرے
۱۴۳	۱	آپ کا	اون کا	،،	،،	وولت	دوست
۱۴۴	۷	محقفین	محققین	۱۷۴	۳	نسبتی	نسبی
۱۴۵	۱	کردیا	کرادیا	۱۷۵	۳	مورخہ	مورخہ ۷ اگست ۱۹۶۴ء
۱۴۶	۱۴	د	میں بھی				
،،	۱۶	مقناطینت	مقناطیست				

مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی
تاریخ وفات ۸ جون ۱۹۴۷ء

موت سے کس کو رستگاری ہے۔ آثر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

حسب نسب ۔ تعلیم و ملازمت

۱۔ پیدائش و حسب نسب یہ امر مسلمہ ہے کہ بدایوں کی سرزمین ایک مردم خیز خطہ ہے یہاں کی خاک پاک سے بڑے بڑے اولیاء، اللہ، شعراء، ادیب اور مورّخ پیدا ہوئے حضرت سید احمد رحمتہ اللہ علیہ حضرت نظام الدین اولیا۔ حضرت سلطان العارفین روشن ضمیر، حضرت بدرالدین شاہ ولایت جیسے ولی، ذاکر۔ وحشت۔ زلالی۔ شرر۔ نوا۔ فانی۔ قمر۔ نازش جیسے مقتدر شاعر و ادیب، ملا عبد القادر بدایونی جیسا مورخ وہ نمایاں اور درخشاں ہستیاں ہیں جن کا دامن اس سرزمین سے وابستہ ہے۔

مولوی نظام الدین حسین المتخلص بہ نظامی بھی سنہ ۱۲۸۹ھ مطابق سنہ ۱۸۷۲ء میں اسی مردم خیز خطہ میں پیدا ہوئے آپ کا تاریخی نام نظام الدین حسین محبوب صمدی تھا۔ مولانا نظامی بدایوں کے ایک مشہور خاندان متولیان کے فرد تھے۔ یہ خاندان سنہ ۶۱ھ سے بدایوں میں آباد ہے اس کا سلسلہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے جو حضرت کے بڑے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمٰن نامی سے جاری ہوا ہے ان کی اولاد میں سے ایک مرد بزرگ عبداللہ سنہ ۹۶۰ھ میں مکہ سے چل کر بدایوں تشریف لائے تھے اور شیخ عبداللہ مکی کے نام سے مشہور رہے۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن سے چھٹی پشت میں تھے ان کی آء۔ کی تاریخ "قریش" ہے۔ شیخ عبداللہ نے یہ سفر معہ اپنی بی بی و صاحبزادہ شیخ یحیٰ اللہ کے اختیار کیا تھا۔ راستہ میں بمقام لاہور قیام کیا۔ شیخ یحیٰ اللہ کی اولاد جو وہیں رہے لاہور میں اب تک موجود ہے شیخ یحیٰ اللہ کو لاہور میں چھوڑ کر خود معہ بی بی صاحبہ کے بدایوں آئے اور پھر یہیں رہے بدایوں میں ان کی اولاد بوجہ اپنی لیاقت علم و فضل کے شاہان اسلام کے وقت سے اس وقت تک معزز شمار کی جاتی ہے۔ بہت سے ممتاز اور نامور اشخاص اس خوش نصیب شخص کی اولاد میں پیدا ہوئے اور اپنے جد بزرگ کا نام روشن کرتے رہے۔ اس خاندان کے شجرے اکثر اشخاص نے تحریر کئے سب سے پہلا نسب نامہ شیخ مسیح اللہ قریشی نے سنہ ۹۰۰ھ میں لکھا۔ بعد ازاں مولانا درویش محمد متولی نے ایک نسب نامہ سنہ ۱۰۱۲ھ میں تحریر کیا پھر سنہ ۱۲۴۹ھ میں شیخ محمد فصاحت اللہ متولی مرحوم نے ایک نسب نامہ تیار کیا۔ اس کے بعد ایک مفصل نسب نامہ حافظ حاجی حکیم محمد مجاہد الدین صاحب ذاکر احمد مرحوم و مغفور نے سنہ ۱۲۹۰ھ میں تحریر کیا۔ لیکن ان میں سے کوئی نسب بھی طبع نہ ہو سکا۔ شاہ طفیل احمد متولی مرحوم نے ان شجروں کی مدد سے ایک نسب نامہ لکھ کر مع معلومات کے ساتھ سنہ ۱۳۱۵ھ میں طبع کرایا۔ اور اس کا نام باقیات الصالحات (شجرہ شیوخ صدیقیہ) رکھا۔

شاہ صاحب مرحوم کے شجرہ شائع ہونے کے بعد ۱۳۱۴ھ میں مولوی رضی الدین صاحب تنویر نے ایک شجرہ طبع کرایا۔ آخر میں ایک شجرہ ۱۳۵۵ھ میں شیخ کبیر الدین ولد شیخ وزیر الدین بدایونی نے طبع کرایا جس کی تصحیح اور نظرثانی مولوی مجتہد الدین صاحب تعیش اور حاجی عبدالجامع صاحب جامی نے فرمائی۔

اگر اس خاندان کے مشہور افراد کا ذکر کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان میں سے صرف معدودے چند کا کچھ تذکرہ کریں۔ سب سے پہلے ہم اس خاندان کے سب سے زیادہ مشہور اور سب سے معزز شخص شیخ شمس الدین الملقب بہ جھجھار خاں کا ذکر کرتے ہیں۔ ابتداءً یہ شیر شاہ سور کے امیروں میں داخل تھے۔ جب سلطنت کا رنگ پلٹا اور مغلوں کا ڈنکا بجا اور شہنشاہ اکبر کا عہد ہوا تو بیرم خاں خان خاناں کی مدد سے شاہی دربار میں اون کو اعلیٰ درجہ کی عزت اور ثروت حاصل ہوئی۔ نشان و نقارہ ساتھ رہتا تھا۔ بادشاہ نے عین مہربانی اور قدر افزائی سے ایک باغ سو بیگہ پختہ سواد بدایوں میں بذریعہ فرمان شاہی عطا کیا تھا جو جھجھار خاں کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ فرمان مذکور میں شہنشاہ نے اون کو اس طرح مخاطب کیا ہے۔

"زبدۃ الاعظم والاعیان قدوۃ الاماجد والاقران نتیجہ المشائخ العظام شیخ محمد شمس الدین بایہن المخاطب جھجھار خاں سلامت"۔

شیخ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ:۔

"من از زبان اقدس شنیدہ ام کہ روزے بہ جمعیت قلیل در شکار بودم خبر رسید کہ ساکنان سکیٹ کہ اولی باعمال بادشاہ سجنگ آمدہ ازانجا ارادہ کردم در آشنا وراہ پائے فیل بادشاہے

در چقر درآمد. قریب شامگہ فیل معہ عماری بر بیں آمد ججہار خاں
بدایونی از پشت فیل خود برجست و بہ ستیاری دست خود
پائے فیل را خود بدولت از چقر برآورد"

ہندوستان کے مشہور مورخ مُلا عبدالقادر البدایونی نے
اپنی تاریخ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ :۔

"ججہار خاں در اوائل سلطنت افاغنہ بصوبہ داری سرہند
معزز بود وچلے در آنجا تعمیر کردہ در آخر عمر مدد معاش خود
قانع شدہ ترک خدمت و منصب کردہ و مقبرہ عالیشان در
سرائے گورخانہ پدراں تہ ساختہ و سنگے کہ برپیشانی مشرق
کتابیہ نہادہ است بداں مرقوم است این گنبد از ان
ججہار خاں عرف شیخ بدہن بن سعداللہ قریشی در عہد سلطنت
سلیم شاہ در سنہ ۹۵۰ھ اتمام یافت"

بدایوں میں جس مقام پر ججہار خاں کا روضہ ہے اب وہ جگہ
محلہ قبول پورہ میں "لال سرائے" کے نام سے مشہور ہے۔ خاندان متولیان کا
قبرستان بھی یہیں ہے گورستان کے گرد و نواح میں جو کھیت ہیں وہ خاندان
متولیان کی زمینداری میں ہیں۔

اس نامی شخص کو خدا تعالےٰ نے چونکہ اولاد سے محروم رکھا تھا
اس لئے اس کی ریاست اس کے بھتیجے ملا محمد یوسف کو ملی جس کو اس نے
خود اپنی زندگی میں جانشین مقرر کر دیا تھا۔ مُلا محمد یوسف کا رسوخ شاہی
دربار میں محمد شمس الدین سے کچھ کم نہ تھا ان کے وقت میں جلال الدین اکبر کا
جانشین جہانگیر سلطنت کر رہا تھا۔ ان کو جہانگیر نے اپنی تعلیم کے لئے منتخب

کیا تھا اور بادشاہ کی اُستادی کا فخر ان کو حاصل تھا۔ مدت تک صوبہ پٹنہ میں حکمراں رہے۔ ہاشم باغی نے اس نواح میں اس وقت بڑی اودھم مچا رکھی تھی۔ بادشاہ کو اس کی تالیع قمع کی فکر تھی لیکن اس کی بیخ کنی کی کسی کو جراًت نہ پڑتی تھی کیونکہ قدرت کو اس کام کا انجام پا تا مولانا محمد یوسف صاحب کے ہاتھ سے منظور تھا۔ آخر مولانا نے قدرت کی اس منشاء کو پورا کر کے بادشاہ کی نظر میں نہایت عزت اور وقعت حاصل کی۔ آخر عمر میں بادشاہ نے اون کو کالنجر کا قلعہ دار بنایا وہیں اونھوں نے ۸ ربیع الاول ۹۶۶ھ کو اس دنیا سے کوچ کیا۔ اون کی اولاد نے بھی ان کے بعد اس خاندان کی عزت کو قائم رکھا اور اسی طرح بادشاہ وقت کی وفاداری اور جاں نثاری کو اپنا فخر سمجھ کر شاہی نظروں میں افتخار پایا۔

ان کے فرزند شیخ محمد کرم اللہ بڑے ذی مراتب و مناصب شخص ہوئے۔ بادشاہ کی طرف سے اوقاف کے متولی تھے۔ اسی وجہ سے اُن کی اولاد کو ابتک متولی کے لقب سے پکارتے ہیں۔ بادشاہ وقت نے موضع کہریا رہلو پرگنہ بدایوں انہیں کو خیر خواہی کے صلہ میں نسلاً بعد نسلٍ معاف کیا تھا چنانچہ اس موضع کا کچھ حصہ ابتک ان کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔ مولانا درویش محمدؒ کے وقت میں تولیت کے اختیارات کو وسعت دی گئی۔ یہ صاحب بدایوں کے ناظم تھے ان کے بعد شیخ وہاب الدینؒ ہوئے جو بھی فخر خاندان پیدا ہوئے۔ ان کی نظم اور نثر اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی فارسی میں ان کا دیوان موجود ہے فرمایا ہے کہ:

موج جامہ از میکدہ امروز پشیماں برخاست
بہ کفے دست نگاری بہ کفے مینا ئے

اس وقت روہیلوں کی عملداری تھی اور وہ داتا گنج ضلع بدایوں تحصیلدار تھے۔ اُنھیں کے وقت میں سلطنت کی کایا پلٹ ہوئی انگریزی سکّہ جاری ہوا۔ برٹش حکام نے بھی ان کی اس عزّت کو قایم رکھا اور بدستور اپنے عہدہ پر مامور رہے۔ بتاریخ ۳ مارچ ۱۸۰۲ء مطابق ۱۷ جمادی الاول ۱۲۱۷ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ اب وہ وقت تھا کہ برٹش حکومت نے ہندوستان پر اپنا قبضہ کر لیا تھا اس خاندان کی یہ بڑی خوش نصیبی تھی کہ باوجود انقلاب حکومت اس جلیل القدر خاندان کی عزّت اور افتخار میں فرق نہیں آیا۔ اور اسی طرح اس نئے راج میں بھی اوس کا دور دورہ رہا۔ جن لوگوں نے برٹش عہد میں امتیاز حاصل کیا ان میں ایک مولوی جمال الدین حسن جو موجد موصوف کے پوتے تھے غدر سے پہلے ڈپٹی کلکٹر ضلع مین پوری اور محمدی ملک اودھ میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے۔ چنانچہ اوُنھوں نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے ؎

اس نام سے ازل سے محبت جو تھی مجھے
میں نامزد ہوا ہوں برائے محمّدی

اور بعد غدر بھی اوُنھوں نے ڈپٹی کلکٹری حاصل کی آخر وقت میں ضلع جھانسی میں ڈپٹی کلکٹر رہے بوجہ بیماری رخصت لے کر مین پوری آئے تھے بروز چہار شنبہ بتاریخ ۲۷ جون ۱۸۶۶ء یعنی ۱۴ صفر سنہ ۱۲۸۳ھ کو وہیں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ مولوی جمال الدین حسن نہایت عقیل معاملہ فہم اور ذی علم تھے صاحب تصانیف بھی تھے اردو نظم میں مثنوی اسعدی اور پیمائش و بندوبست وغیرہ کے متعلق کتاب "حالات دیہی" آپ کی مشہور کتابیں ہیں آخر الذکر کتاب گورنر صاحب بہادر کے حکم سے ۱۸۵۵ء میں آگرہ کے چھاپہ خانہ میں چھپی تھی اور یہ کتاب بہ فرمائش

چارلس ریکس صاحب بہادر کمشنر قسمت لاہور صاحب لوگوں کو اس ملک
کی دیہاتی زندگی سے واقف بنانے کے لئے لکھی گئی تھی۔ اس میں ایسی
باتیں بھی درج ہیں کہ جن کا جاننا اس ملک کے زمینداروں کے نوجوان بچوں
اور ان لوگوں کو جو سرکاری نوکری کرنا چاہتے تھے نہایت ضروری تھا۔ چنانچہ
یہ کتاب صاحب ڈائرکٹر بہادر سررشتہ تعلیمات کی رائے سے۔ تول تک یہاں
کے مدرسوں میں بھی جاری رہی۔ مولانا نظامی اسی زمانہ ان کے ایک فرد تھے۔

نظامی صاحب کی عمر ابھی چار سال چار ماہ کی تھی کہ رواج خاندانی
کے مطابق رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد
ابتدائی تعلیم ان کے پدر بزرگوار مولوی فخر الدین مرحوم کی زیر نگرانی
ہوئی۔ اس زمانہ میں زیادہ تر مسلمان بچوں کو انگریزی تعلیم دلوانا مذہب کے
خلاف سمجھتے تھے اور اس کے بہت مخالف تھے۔ لیکن دوسرا طبقہ ایسے لوگوں
کا بھی پیدا ہو چلا تھا کہ جو حصول معاش کے لئے بطور ضرورت تعلیم انگریزی
کو لازمی سمجھتے تھے۔ منشی خاندان کے لوگ کافی تعلیم یافتہ اور بڑی بڑی ملازمتوں
میں رہنے کے باعث اسی دوسرے طبقہ کے تھے۔ نظامی صاحب کا رجحان طبع
دیکھ کر ان کو انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ بالآخر انھوں نے
۱۹۰۳ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور اس کے
بعد وہ اپنی رائے اور شوق سے علی گڑھ حصول اعلیٰ تعلیم کی غرض سے
چلے گئے۔

اسی زمانہ میں ان کی شادی مولوی حبیب الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر
فرزند اکبر مولوی جمال الدین حسن کی لڑکی سے ہو چکی تھی۔ مولوی حبیب الدین صاحب
نظامی صاحب کے دادا کے چچا زاد بھائی تھے اور ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر

فالبصر تھے۔ ان کا انتقال ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۶ء کو شاہجہانپور میں ہوا وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کے ایک فرزند مولوی وحید الدین احمد اور ایک لڑکی تھی۔ مولوی حمید الدین صاحب کے انتقال کے بعد نظامی صاحب نے دسمبر ۱۸۹۶ء میں ڈپٹی صاحب مرحوم کے سوانح حیات سیرۃ الحمید کے نام سے مرتب کیے یہ کتاب ۱۸۹۷ء میں وکٹوریہ پریس بدایوں میں چھپی۔ چنانچہ نظامی صاحب کو مولوی صاحب موصوف نے سرکاری ملازمت کی رائے دی اس لیے کہ اس زمانہ میں تعلیم کا مقصد سرکاری ملازمت ہی ہوتا تھا۔ اور اس کا حصول ڈپٹی صاحب کی موجودگی میں بغیر اعلیٰ درجہ کے امتحان پاس کیے بھی آسان تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور نظامی صاحب دفتر کلکٹری شاہجہاں پور میں ملازم ہو گئے۔ مولانا نظامی کو طبعاً کچھ ملازمت سے زیادہ مناسبت نہ تھی۔ ادبی رجحان رکھتے تھے اس لیے وہ ملازمت کے زمانہ میں بھی ہمیشہ تصنیف و تالیف میں لگے رہتے ان کے بہت سے مضامین عالم تصویر کانپور اور روہیل کھنڈ گزٹ بریلی میں شائع ہوتے رہے اس زمانہ میں انھوں نے ایک اخلاقی ناول رضیہ مسعود کے نام سے شائع کرایا۔

آپ کو شاعری سے بھی فطری لگاؤ تھا۔ اپنے جذبات کے ماتحت نظمیں لکھا کرتے تھے ابتداء میں مولوی عبدالحیٰ صاحب "بیخود" بدایونی کو کلام دکھایا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں انھوں نے ایک مثنوی صبح امید کے نام سے لکھی اور اس کو مولانا حالی پانی پتی کے پاس بغرض اصلاح بھیجا۔ مولانا حالی نے اس کی اصلاح تو کر دی مگر اپنے خط میں لکھا کہ میں تمھارے مضامین اخبارات میں پڑھتا رہا ہوں تم بہت اچھے مضمون نگار ہو اور بڑی ترقی کر گئے شاعری میں مت پڑو یہ آدمی کو بیکار کر دیتی ہے البتہ جب ضرورت ہو

اپنے خیالات کو نظم کر لیا کرو۔ تم بحیثیت مضمون نگار زیادہ مفید ثابت
ہو گے انھوں نے مولانا کے مشورہ کو قبول کیا اور شاعری کو خاص خاص موقعوں
پر اپنے جذبات ظاہر کرنے کے کام میں لاتے رہے۔

۲۔ اولاد | آپ کے کئی اولادیں ہوئیں مگر اس وقت صرف ایک لڑکا
اور دو لڑکیاں موجود ہیں۔ مولوی احمد الدین نظامی سب سے بڑے
ہیں۔ ان کے بعد طاہرہ خاتون اور اطہر خاتون دو لڑکیاں ہیں جو ماشاء اللہ
سب خوش و خرم اور صاحب اولاد ہیں۔ آپ کی اہلیہ کا انتقال سنہ ۱۹۱۷ء
میں ہو گیا تھا مگر آپ نے دوسری شادی نہیں کی اور اپنی اولاد کی پرورش
میں وقت گذارا۔ بروقت انتقال اہلیہ آپ کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔

نظامی صاحب کو تعلیم سے ہمیشہ دلچسپی رہی اس لئے ان کے خاندان میں
تعلیم کا کافی چرچہ ہے۔ پوتے۔ پوتیاں۔ نواسے اور نواسیاں سب ہی تعلیم یافتہ
ہیں آپ کے صاحبزادہ مولوی احمد الدین نظامی کا رجحان طبع ابتدا
ہی سے صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف تھا اس لئے نظامی صاحب نے
ان کو صرف انٹرنس تک تعلیم دلا کر گورنمنٹ آرٹس اینڈ کرافٹس اسکول لکھنؤ
میں داخل کرا دیا۔ جہاں آپ نے فن چھپائی کی تعلیم حاصل کی اور وہاں سے اس
فن میں درجہ اوّل کا ڈپلومہ سنہ ۱۹۲۰ء میں حاصل کیا اس سے پہلے آپ نے سنہ ۱۹۱۹ء
میں کانپور سے امتحان میں شامل ہو کر سٹی اینڈ گلڈس انسٹی ٹیوٹ لندن سے
ڈپلومہ حاصل کیا تھا اس کے بعد آپ نے فن چھپائی پر "لیتھو گرافی" کے نام سے
اردو میں سب سے پہلی مکمل اور مفید کتاب شائع کی جس میں اس فن کے متعلق
کافی معلومات درج ہیں یہ کتاب بہت مقبول ہوئی گورنمنٹ نے بھی اس کی کاپیاں
کافی تعداد میں خرید کر مصنف کی ہمت افزائی فرمائی۔

۱۹۱۲ء میں یو۔پی گورنمنٹ نے آپ کو اسٹیٹ اسکالرشپ دیکر فن چھپائی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے ولایت بھیجا۔ وہاں پہونچکر آپ نے اسکول آف فوٹو انگریونگ اینڈ لیتھوگرافی لندن میں بلاک میکنگ اور فوٹو لیتھوگرافی وغیرہ کو مکمل طور سے حاصل کر کے ڈپلومہ حاصل کیا جب وہاں سے آپ واپس ہوئے تو صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے آپ کو بلا کر مسلم یونیورسٹی پریس کا منیجر مقرر کر دیا۔ آپ نے تقریباً سوا سال وہاں رہ کر پریس میں کئی مشینوں کا اضافہ کیا۔ مگر اسی عرصہ میں صاحبزادہ صاحب کا انتقال ہوگیا۔ صاحبزادہ صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے بھی اس ملازمت کو خیرباد کہا اور اپنے نظامی پریس میں کام شروع کر دیا۔ اس وقت نظامی پریس میں دستی پریس تھے۔ آپ نے الیکٹرک مشین منگاکر انگریزی، ہندی ٹائپ سے پریس کو ترقی دی اور رنگین چھپائی کا کام بھی شروع کر دیا۔ ایک ایجنسی کے کاروبار میں بھی چار چاند لگائے اور اُردو کی بہترین کتابوں کا اسٹاک جمع کیا۔ ماڈرن انک مینوفیکچرنگ کمپنی بدایوں کے نام سے ۱۹۳۶ء میں ایک کارخانہ کھولا جس میں ہر قسم کی لکھنے کی روشنائیاں تیار ہوتی ہیں۔ آپ کی فاؤنٹن پین کی ماڈرن روشنائی اور زبیرا انڈلیبل اسٹامپ انک بہت مقبول ہوئی ہیں۔

مولانا نظامی کو اپنے فرزند سعید سے بیحد محبت تھی بسیر احمد کی غیر معمولی تکلیف میں وہ بہت پریشان اور مضطرب ہو جاتے تھے۔ سائیکل کے خطرناک حادثہ نے مولانا کو عظیم روحانی صدمہ دیا تھا جب صاحب کے غسل صحت کے بعد اظہار تشکر میں جو قطعات مولانا نے تحریر کئے ہیں ان سے مولانا کے تاثرات اور قلبی محسوسات کا قدرے اندازہ ہوتا ہے یہ حادثہ

۱۸ / جون ۱۹۴۲ء کو ڈھائی بجے کے قریب جب احید صاحب بی۔آر۔پی کے دفتر کلکٹری بدایوں سے سائیکل پر واپس آرہے تھے سرائے ناہر خاں کی مسجد کے قریب واقع ہوا تھا۔ سائیکل کے اگلے پہیے کا چمٹا فریم کے پاس سے ٹوٹ کر ہینڈل اور فریم سے علیحدہ ہوگیا جس کی وجہ سے وہ گر گئے اور گرنے میں سر پاپ کی ٹوپی ٹوٹی اور موڑی ہوئی دونوں ناتوں سے چہرہ زخمی ہوگیا ناک کے ایک نتھنے میں اور ہونٹوں میں شدید زخم آئے۔ آنکھیں بچی رہیں فوراً اسپتال پہونچائے گئے۔ رائے صاحب مسٹر بابو پرشاد صاحب گپتا نے جو اسوقت اسسٹنٹ سرجن کے عہدہ پر ممتاز تھے خاص توجہ اور محنت سے علاج کیا۔ ۷ / جولائی ۱۹۴۲ء کی شام کو غسل صحت کے موقع پر مولانا نظامی نے ڈاکٹر گپتا صاحب اور جملہ اعزا و احباب کو ڈنر دیا اور حسب ذیل قطعات بہ ہدیہ تشکر پیش کیا۔

(۱)

یہ سائیکل کی ضرب نمونہ بلا کی تھی — پھر بھی امید مجھ کو خدا سے شفا کی تھی
احباب آئے تھے جو عیادت کیواسطے — ان کی تسلیاں تھیں کہ رحمت خدا کی تھی

(۲)

خدا نے دکھایا یہ روز سعید — کہ مر مر کے زندہ ہوئے پھر احید
نظامی کی مایوسیاں اب کہاں ؟ — کہ سرسبز ہے اب تو نخل امید

(۳)

میرے غریب خانہ کا کیا پوچھتے ہو حال — عشرت کدہ بنا ہے وہاں غم کا کیا سوال
دیوار و در سے آتی ہے اسکے یہی صدا — گپتا نے اپنے فن کا دکھایا بڑا کمال

(۴)

اے سائیکل خدا کے لیے مجھکو یہ بتا — مضروب کیوں احباب کو بیدردی سے کیا
مانا کہ اس نے تیر کیا ہو کوئی قصور — میرے دل شکستہ کو کیوں تونے دکھ دیا

(۵)

کم بخت سائیکل کا ستم تھا یہ ناروا — احباب تھے جو دور پریشاں انھیں کیا
آئے خطوط ان کے پیامات برق بھی — میں کس زباں سے ان کا کروں شکریہ ادا

احمد صاحب کے مژدہ صحت پر احباب نے جو مبارکبادیں لکھیں ان میں بعض نظمیں اور قطعات ادبی شان رکھتے ہیں۔ اور وہ اردو ادب کے شائقین کی دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس پایہ کی چند نظموں کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

قطعہ تہنیت

(از خان بہادر مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی)

وہ ذات گرامی جو مشہور نظامی ہے — اس شہر بدایوں کا اک ماہ تمامی ہے
ہے نام احمد الدین ماہر فن لیتھو کا — مفہوم حقیقی میں جو قوم کا حامی ہے
ناظم بھی وہ یکتا ہے اور فن صحافت میں — ہے شان نظامی تو وہ شرح نظامی ہے
تکلیف مقدر تھی اک حادثہ پیش آیا — وہ جان کا صدقہ تھا اب عیش دوامی ہے
ہے دور اثر تم سے رخصت بھی نہیں ملتی — ہونا کسی کا نوکر در اصل غلامی ہے
الفاظ میں ناممکن اظہار مسرت کا — مخلص کا مگر دل بھی ہمراہ پیامی ہے
میں تم کو دعائیں دوں تم میری دعائیں لو — اس کی نہ کرو پروا انداز نظامی ہے

زندہ رہو اور سر پہ ہو سایہ نظامی کا
سب لوگ تمہیں سمجھیں ہمسایہ نظامی کا

قطعہ مبارکباد

(از نتیجۂ جگموہن ناتھ صاحب شوق شاہجہانپوری)

حادثہ سن کے شوق تھا غمگین　　دل بھی بیحد رہا ملول وحزیں
سن لیا آج مژدۂ صحت　　تم سلامت رہو اجیب الدین

قطعۂ تاریخ

(از مولانا شاد صدیقی بدایونی)

سائیکل سے جب گرے مشیر اجیب　　وہ گھڑی تھی اک قیامت کی گھڑی
درد پنہاں سے تھی حالت ان کی غیر　　سوزِ غم سے جان پر تھی آ بنی
مضطرب احباب تھے ان کے لئے　　فکرِ صحت تھی اعزا کو بڑی
تھی بہت ہی سخت ضربِ سائیکل　　جل رہی لیکن بلا یہ ٹل..... گئی
فضلِ خالق دو ہی دن میں وہ ہوئے　　صحت کامل انھیں خالق نے دی
ہم سے کہتی فرمائش احباب شاد　　ہو رقم تاریخ بھی اس کی کوئی

صنعتِ نادر میں دیکھا جب اسے
سائیکل کے لفظ میں تاریخ تھی

۱۳۶۱ھ

مولوی اجیب الدین صاحب نظامی کے ماشاء اللہ اس وقت چند لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں آپ کی سب اولاد نیک اور صالح ہے آپکے بڑے صاحبزادے محمد الدین موجا اس وقت مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بی۔ اے میں تعلیم پا رہے ہیں آپ کو اپنے دادا جان کی طرح علم و ادب سے

کافی دلچسپی ہے۔ آپ نے حال ہی میں ایک کتاب "محمل" تالیف کرکے شائع کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے دادا جان کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے۔
آپ کے دوسرے صاحبزادہ جمال الدین مونس حافظ صدیق مسٹن اسلامیہ انٹر کالج بدایوں شیخوپور میں ایف۔ اے کلاس میں زیر تعلیم ہیں۔ تیسرے صاحبزادہ سقیم الدین ایجاد نویں درجہ میں اور چوتھے صاحبزادہ ناظم الدین محبوب چھٹے درجہ میں اسی کالج میں پڑھ رہے ہیں۔ پانچویں صاحبزادہ ممتاز الدین امین اور چھٹے صاحبزادہ معراج الدین نفیس ابھی بہت خورد سال ہیں۔
بڑی صاحبزادی قیصر جہاں کی شادی ہو چکی ہے اور چھوٹی صاحبزادی خالدہ ادیبہ زیر تعلیم ہیں۔
مولانا نظامی کی بڑی دختر زاہرہ خاتون جن کی شادی قاضی قطب الحسن جیب۔ بی۔ اے سے ہوئی ہے ان کے چار لڑکے ہیں۔ بڑے صاحبزادے مسٹر عباد الحسن سروے آف انڈیا سے ٹورانس میں کا ٹریننگ لینے کے بعد اب محکمہ نہر میں ملازم ہیں۔ ان سے چھوٹے صاحبزادے مسٹر سراج الحسن ایم۔ اے ال ال بی کی ڈگری حاصل کرکے فارغ ہوئے ہیں۔ ان سے چھوٹے صاحبزادے مسٹر بابر الحسن ریزرو بینک آف انڈیا میں ملازم ہیں چوتھے صاحب زادہ زیر تعلیم ہیں اور ایک لڑکی ہے جو زیر تعلیم ہے۔ نظامی صاحب کی چھوٹی دختر امینہ خاتون ہیں جن کی شادی منشی معین احمد جیب۔ بی۔ اے سے ہوئی ہے جو اسوقت کلکٹری بدایوں میں ملازم ہیں۔ ان کے تین صاحبزادے ہیں۔ بڑے صاحبزادے مسٹر حبیب احمد جیب۔ بی نے اس سال ایم۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ دو صاحبزادے مسٹر جلیس احمد اور سجاد بابر احمد زیر تعلیم ہیں۔ اور چار لڑکیاں ہیں یہ سب زیر تعلیم ہیں۔

۳۔ ملازمت اور مولانا سیّد طفیل احمد صاحب شفقت مسلمانوں کا روشن مستقبل سے ملاقات

یہ سلسلہ ملازمت مولانا نظامی کا تقرر شاہجہانپور میں ہوا۔ زمانۂ قیام شاہجہانپور میں

ان کی ملاقات کی بنیاد میرے والد مولانا سید طفیل احمد صاحب سے پڑی جو روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی تقریباً ہر قسم کی تحریکات میں ان ہر دو بزرگوں کا ہمیشہ ساتھ اور اشتراک عمل رہا مولوی سید طفیل احمد صاحب کا انتقال ۳۰ مارچ ۱۹۴۶ء کو ہوا ان کی وفات کے بعد سے مولانا نظامی کو حیات طفیل کے لکھنے میں شغف رہا۔ اس کا کثیر حصہ انھوں نے جون ۱۹۴۷ء تک تحریر بھی کر لیا کہ خود وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شاہجہانپور کی ملاقات اور وہاں کے حالات خود مولانا نظامی مرحوم نے حیات طفیل میں تحریر کئے ہیں جس میں سے کچھ اقتباسات ضروری ترمیم کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مولانا نظامی صاحب کا اور مولانا سید طفیل احمد صاحب قبلہ مرحوم کا پہلا تعارف اپریل ۱۸۹۹ء میں ہوا۔ مولانا طفیل احمد صاحب کا تبادلہ مارچ ۱۸۹۹ء میں کاسگنج سے شاہجہانپور بہ عہدہ سب رجسٹراری ہوا۔ شاہجہانپور میں ایک مہینہ گذرا تھا کہ مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی سے ملاقات ہوئی جو بہ سلسلہ ملازمت پہلے سے شاہجہانپور میں مقیم تھے۔ نظامی صاحب علی گڑھ کی تعلیمی اور قومی تحریک میں ۱۸۹۰ء سے حصہ لے رہے تھے۔ اخبارات میں ان کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ مولانا سید طفیل احمد مرحوم کو شاہجہانپور جیسے مقام میں ایک ہم خیال و ہم مشرب کی شناسائی نے بڑی تقویت پہونچائی۔ اشتراک خیال نے شناسائی کو دوستی میں تبدیل کر دیا اور جس محبت و مودت

کی بنیاد شاہجہاں پور میں قایم ہوئی تھی وہ آخر دم تک استوار سے استوار تر
ہوتی رہی۔ دونوں بزرگ ہمیشہ ایک دوسرے کے خیالات سے متاثر
ہوتے رہے۔ مولانا طفیل احمد اور نظامی صاحب کی خلوص نیت نے شاہجہانپور
جیسے مقام پر اپنے گرد مخلص احباب کا حلقہ بنا لیا اور علمی و تبلیغی ماحول پیدا کرنے
میں کامیاب ہوئے۔

سب سے پہلے اخوان الصفا کی جماعت قائم کی جس کے جلسے ہر ہفتہ
ہوتے تھے ہر ممبر کی طرف سے باری باری چاء نوشی کی دعوت دی جاتی تھی۔
مضامین پڑھے جاتے تھے علمی مباحثے ہوتے تھے مولوی عبد اللطیف خاں
بی۔ اے (علیگ) بدایونی۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے برادر اکبر مولوی اکبر علی
تھانوی جو بہ سلسلہ ملازمت شاہجہانپور میں موجود تھے قومی کاموں میں
ہاتھ بٹاتے رہتے تھے اور اخوان الصفا کے سرگرم اراکین میں سے تھے شاہجہانپور
خاص کے ممتاز حضرات حاجی محمد سعید خاں۔ مولوی مسیح الزماں خاں منشی فخر الدین خاں
مولوی احمد زماں خاں صاحبان مولانا کے شریک کار رہے۔ مولانا طفیل احمد صاحب
کا تبادلہ شاہجہانپور سے دس ماہ بعد مرزاپور کو ہو گیا۔ تبادلہ ہو جانے کے بعد
جائے قیام کی دوری کی وجہ سے تعلقات کی کمی ایک صریح چیز تھی لیکن خیالات
کی یگانگت اور نصب العین کے اشتراک نے ان دونوں بزرگوں کو بجائے دور سے
دور تر کرنے کے نزدیک سے نزدیک تر ہی کیا۔

اسی زمانہ میں اخبار البشیر اٹاوہ میں ایک سلسلہ مضامین شگون گنڈے
تعویذ اور عملیات کی موافقت اور مخالفت میں شائع ہونا شروع ہوا۔ مولانا طفیل احمد
نے اس سلسلہ میں انسانی اوہام کے عنوان سے کچھ مضامین لکھے جس میں بیشتر حصہ مولانا
کی آپ بیتی داستان تھی اور وہ یہ کہ مولانا ایک دفعہ زیادہ بیمار پڑے تو ان کی طبیل

علالت کو بعض اعزہ نے آسیب وغیرہ سے منسوب کر دیا اور تعویذ گنڈوں
کے علاوہ اس سلسلہ میں اہل پیر حاضرات وغیرہ کے عمل بھی کرائے گئے ان باتوں
سے متاثر ہو کر مولانا طفیل احمد مرحوم نے گنڈے تعویذوں اور ٹوٹکوں کے متعلق ایک
سلسلہ مضامین کا اخبار البشیر اٹاوہ میں لکھنا شروع کر دیا تھا چنانچہ ان مضامین کو
مولانا نظامی مرحوم نے سنہ ۱۹۱۰ء میں کتاب کی صورت میں شائع کیا اس کتاب کا
نام "النساقی اوہام" رکھا گیا۔ یہ کتاب رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور میں چھپکر شائع
ہوئی تھی اس کے مضامین بڑے دلچسپ اور پر از معلومات ہیں مگر اب یہ
کتاب بالکل نایاب ہو چکی ہے۔

۴۔ ترک ملازمت

مولانا نظامی شروع سے قومی اور ادبی رجحان
رکھتے تھے زمانہ طالب علمی سے ان کو مضمون نویسی سے شوق تھا اکثر
اخبارات کو اپنے مضمون چھپنے کے لئے بھیجا کرتے تھے قومی کاموں میں
شریک رہتے۔ نظامی صاحب سنہ ۱۹۰۳ء میں محافظ خانہ مال و فوجداری ضلع
شاہجہانپور میں محکمہ نقل کے سنصرم تھے۔ اس زمانہ میں پنڈت جگموہن ناتھ
رینہ صاحب شوق شاہجہانپوری ڈپٹی کلکٹر دفاتر انگریزی و اردو محکمہ کلاڑی
کے انچارج تھے۔ نظامی صاحب کی کارگزاری کا اندازہ جناب شوق صاحب
کی حسب ذیل تحریر سے ہوگا وہ فرماتے ہیں :۔

"حضرت نظامی کی جفاکشی و ذکاوت نے حکام کی نگاہوں
میں ان کو ایک قابل اہلکار کا درجہ دے رکھا تھا نقل کا
محکمہ ہمیشہ سے بدنام رہتا ہے مگر ان کی نگرانی میں اہل مقدمہ کو
بہت کم شکایت کا موقع ملتا تھا۔ مرحوم کی خوش اخلاقی۔ بذلہ سنجی
اور حاضر جوابی نے ان کو ایسا ہر دلعزیز بنا دیا تھا کہ کوئی موقع ہو

ان کا ذکر ضرور آجاتا تھا"
"آغاز ملازمت ہی سے مرحوم کو ملازمت سرکار سے کوئی خاص
لگاؤ نہ تھا اور ہر وقت آزادی کے خواہاں اور جویا رہتے تھے۔
ایک بار وہ میرے مکان پر ملنے آئے اور فرمایا کہ آپ سے ایک
رائے لینے آیا ہوں بلاتکلف مجھے اپنی رائے سے مستفیض فرمائیے۔
میرے دریافت کرنے پر مرحوم نے کہا کہ "میرا جی ملازمت میں بالکل
نہیں لگتا میں استعفیٰ دینے کو تیار ہوں۔ سفارش کیجئے کہ حکام بالا
اس کو منظور کر لیں قلیل تنخواہ میں گزر نہیں ہوتی۔ ناجائز آمدنی سے میں
اپنے دامن کو آلودہ کرنا نہیں چاہتا۔"
میں نے ہنس کر سمجھایا کہ آپ اس قدر دل برداشتہ کیوں ہیں؟ استقلال
سے کام کیجئے انجام دہی فرائض کو سب باتوں پر مقدم رکھئے۔ دیکھئے خداوند کریم
آپ کو کیا دیتا ہے اسی زمانہ میں رینہ صاحب کی جگہ ایک اور نئے ڈپٹی کلکٹر تشریف
لے آئے اور محافظ خانہ نقل کا کام اُن کے سپرد ہو گیا یہ وہ وقت تھا جبکہ عدالتوں میں
اُردو ہندی کا قضیہ شروع ہو گیا تھا ڈپٹی صاحب نے جن کی ماتحتی میں مولانا نظامی
کام کرتے تھے بلا کر کہا۔ آپ دفتر کی تمام نقلیں ہندی میں لکھا کیجئے اردو میں کیوں
لکھاتے ہیں یہ نقلیں آئندہ سے ہندی میں ہونی چاہئیں مولانا نے جواب دیا کہ اُردو
بمقابلہ ہندی کے جلد لکھی جاتی ہے اور اس طرح سے کارگزاری زیادہ ہوتی ہے
یہی وجہ ہے کہ میں نقلوں کو اُردو میں لکھنے پر ترجیح دیتا ہوں ڈپٹی صاحب یہ جواب
سن کر کچھ ناراض ہوئے اور کہا کہ اچھا ہم دونوں تحریریں اپنے سامنے لکھا کر
دیکھیں گے کہ کس تحریر میں کم وقت صرف ہوتا ہے چنانچہ دونوں حروف میں نقلیں
کرائی گئیں اردو داں کلرک نے ہندی داں کلرک سے کہیں زیادہ کم وقت میں نقل

کر کے ڈپٹی صاحب بہادر کے سامنے پیش کر دی۔ مولانا اس پر نہایت ادب سے جھک کر ڈپٹی صاحب کو سلام بجا لائے جس پر ڈپٹی صاحب بہادر اور آگ بگولا ہو گئے اور کہنے لگے "میاں یہ تمہارا قصور نہیں بلکہ تمہاری ٹرکی ٹوپی کا ہے جو تم پہنے ہوئے ہو"۔ مولانا کی حساس طبیعت اس جملہ کی تاب نہ لا سکی اور فوراً استعفیٰ داخل کر کے گھر واپس چلے آئے کیونکہ مشیت کو نظامی صاحب سے ملک اور قوم کی خدمت کرانا تھی۔

شوق صاحب نے نظامی صاحب سے اپنی بعد کی ملاقات کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

"شاہجہاں پور سے تبادلہ ہونے کے بعد تقریباً پندرہ سال تک حضرت نظامی سے ملاقات کی نوبت نہ آئی۔ ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جو خالی از لطف نہیں ہے۔ ۱۹۲۳ء میں سندیلہ سے میں شاہجہاںپور آرہا تھا۔ اسٹیشن پر جب ریل ٹھہری تو انٹر کلاس میں فوراً داخل ہو کر ایک سیٹ پر میں نے قبضہ کر لیا۔ مقابل کی بنچ پر مولانا مرحوم تشریف فرما تھے ہم دونوں نے ایک دوسرے کو نہیں پہچانا۔ مگر جب ایک اسٹیشن گذر گیا تو مولانا نے مسکرا کر یہ فرمایا کہ اگر ترک ادب نہ ہو تو میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کبھی شاہجہانپور میں قیام پذیر تھے۔ میں نے ان کی شکل کو بغور دیکھا اور جب آنکھیں چار ہوئیں تو میں نے جواب دیا اور فوراً پوچھا کہ آپ نظامی بدایونی ہیں اس پر انھوں نے فرمایا کہ میں آپ کا وہی خادم قدیم ہوں مگر ڈپٹی صاحب آپ کی صفائے چہرہ اور انگریزی لباس نے مجھے عجیب کشمکش میں ڈال دیا تھا کیونکہ دوران قیام شاہ جہاں پور میں آپ کے چہرہ پر ہلکی ہلکی داڑھی

تھی اور اب صرف گھنی گھنی مونچھیں ہیں غرضکہ شاہجہانپور تک باتوں باتوں میں وقت ختم ہوگیا اور جب ریل شاہجہانپور اسٹیشن پہ ٹھہری تو اسٹیشن پر میرے عنایت فرما خان بہادر مولوی محمد منسوب حسن خاں مرحوم موجود تھے میرے اور خان بہادر مرحوم کے اصرار پر مولانا مرحوم کو بھی اپنا سفر ملتوی کرنا پڑا اور اپنے درجہ سے باہر آئے ہم دونوں خان بہادر مرحوم کے مہمان ہوئے۔ دوسرے روز چوبیس گھنٹہ قیام کر کے حضرت نظامی بدایوں تشریف لے گئے۔ ہاں ایک اور واقعہ مجھے یاد آیا وہ یہ کہ جب ذوالقرنین کی ہستی کی بنیاد پڑی تو اس کا پہلا پرچہ میرے پاس بھی پہونچا تھا صفحہ اوّل پر حضرت نظامی نے اپنے قلم سے یہ مصرعہ تحریر فرمایا تھا۔

"آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید"

یہ مصرعہ اس گفتگو کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں زیادہ اور کیا عرض کیا جائے پس اس مختصر مضمون کو مصرعہ ذیل پر ختم کرتا ہوں۔

نہ پوچھو شوق کیا کیا خوبیاں کتنے ہنر نیولے ہیں

۵ - ذوالقرنین کا اجراء

مولانا نظامی صاحب اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن بدایوں میں آ گئے یہ امر قابل لحاظ ہے کہ نظامی صاحب اگر اعزہ کے کہنے پر اپنی زندگی نہایت آرام سے بلا کچھ کئے گذارنا چاہتے تو اس کا بہت کچھ امکان تھا لیکن شروع ہی سے ادب کا عمل اس مشاہدہ رشتہ پہ رہا ہے

خفا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بہ پائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

انھوں نے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی اور یہ راہ
وہ کٹھن تلاش کیا جس میں کامیابی کے مواقع کچھ زیادہ نہ تھے شروع ہی میں
سے ہی یہ کیا بلکہ آج بھی ہمارے یہاں اخبار نویسی کو مالی اعتبار سے کوئی اچھا
پیشہ کہنا مشکل ہے اس زمانہ میں ہفتہ وار اخباروں کی آمدنی کا ذریعہ
والیان ریاست ضرور ہوتے تھے گو کہ ان کے کام پر نکتہ چینی اور
پھر تعریف و توصیف کے لیے دیگر اخبار نویسوں کے لیے اول کی سرپرستی
کا باعث بن کر گذر اوقات کا ایک ذریعہ بن جایا کرتا تھا۔ اس طرح یہ بالعموم
اخبار نویس والیان ریاست کی تعریف و مذمت کے مد و جزر سے اپنی
زندگی کے مد و جزر پر قابو پاتے رہتے تھے لیکن ایسا اخبار نویس جو ان طریقوں
سے علاحدہ رہ کر ملک اور قوم کی رہبری کرے اور ان کو صاحب رائے بنانے
کے میدان میں کام کرنا چاہے اس کا کام نہایت درجہ مشکل تھا۔ نظامی صاحب
نے یہی کٹھن و دشوار راستہ اپنے لیے اختیار کیا اور اپنا اخبار ذوالقرنین
کے نام سے ۱۹۰۲ء میں جاری کیا۔ اس وقت ان کا ذاتی پریس نہ تھا۔
ذوالقرنین دیگر پریسوں میں چھپوایا کرتے تھے۔ منشی آغا جان لکھنوی مرحوم
اس پریس کے مالک تھے جو بہت ہی تجربہ کار اور باوضع انسان تھے مولانا نظامی نے
ان کو اخبار میں شریک کر لیا تاکہ اخبار وقت پر اور عمدہ طباعت کے ساتھ نکل سکے لیکن رفتہ رفتہ انھوں
نے اپنے پریس کا سامان مہیا کر کے نظامی پریس کی بنیاد ڈالی اور یہی نظامی پریس میں اخبار چھپنے لگا۔
نظامی صاحب نے اپنا پریس اپنے آبائی مکان واقع محلہ سوتھہ میں قائم
کیا اور اسی کے متصل دفتر ذوالقرنین ’باب الحسنی‘ اور اپنی نشست گاہ بھی قائم

کی. جہاں بیٹھ کر وہ اپنی تصنیف و تالیف اور اخبار کے لیے مضامین لکھتے تھے اگرچہ مولانا نظامی صاحب کو پریس کے متعلق کوئی خاص تجربہ نہ تھا مگر انفاست پسند تھے اور ہر کام کو اعلیٰ پیمانہ پر دیکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنے پریس میں کبھی معمولی کاریگروں کو جگہ نہیں دی ہمیشہ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس اور عمدہ پریس مین رکھے اس لئے ایک دو سال ہی میں نظامی پریس کے کام کی شہرت عام ہو گئی بیرونجات کا کام چھپنے کے لیے آنے لگا۔ انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن کی کتابیں عمدہ عمدہ ادبی رسائل اس پریس میں چھپنے کیلئے آنا شروع ہو گئے۔ اسکے علاوہ تجارتی کاروبار میں جس اہم اور بڑی چیز کی ضرورت پڑتی ہے وہ معاملات وحساب وکتاب کی صفائی اور ایمانداری ہے یہ گن ان میں بدرجہ اتم موجود تھی مرحوم نے گاہکوں اور کاریگروں سے ہمیشہ حساب صاف رکھا کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا اس لیے ان کا کاروبار دن بدن ترقی کرتا گیا۔ نظامی صاحب کو قدرت نے وہ دماغ عطا کیا تھا کہ جس اخبار انگریزی و اردو یا کتاب کو وہ ایک بار پڑھ لیتے اس کے کل مضامین اُن کے دماغ میں محفوظ ہو جاتے اگر وہ کوئی کتاب یا مضمون خود لکھتے یا اپنے منشی کو لکھاتے تو حوالہ اخبار یا کتاب دیتے وقت اُن کو اخبار یا کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہ ہوتی محض حافظہ سے کام لے کر حوالہ دیتے اور وہ صحیح ہوتا بعض اوقات اپنے مکان مسکونہ کے متصل کمرہ میں بیٹھ کر اس کام کو انجام دیتے اس دوران میں اگر کوئی ملنے والا آجاتا تو اس سے نہایت خوش اخلاقی و خندہ پیشانی سے ملتے اور اپنا کام بھی کرتے جاتے۔ وہ مہمان نواز بھی کمال درجہ کے تھے۔ جب بدایوں ہوتے آئے دن ان کے مہمان ان کے پاس آتے رہتے۔ کوئی مہمان ان کو بار خاطر کے سوا بار خاطر نہ ہوتا وہ نہا

وضع، آزاد اور پختہ خیال ہستی تھے۔ وہ تمام عمر پختگی کے ساتھ اخبار ذوالقرنین
کے ذریعہ اپنے خیالات ملک میں پھیلاتے رہے اور ملک و قوم کی خدمت
کرتے رہے اونھوں نے اپنی صداقت اور اخلاق سے معیار اخبار نویسی کو بلند کیا اگرچہ
اس راستہ میں اُن کو بعض اوقات دقتیں اُٹھانا پڑیں اور مالی نقصان بھی پہونچا
لیکن ان کی پالیسی پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

۱۹۲۰ء کے بعد جب ملک میں تحریک آزادی نے ایک دفعہ پھر زور
پکڑا اور کانگریس آزادی کا ایک مستقل پروگرام سامنے رکھ کر چلی تو مولانا کی
ہمدردیاں کانگریس سے منسلک ہوگئیں۔ آپ کا نظریہ تھا کہ ملک اور قوم
کا مفاد ہندو مسلم اتحاد میں ہے جس کی ترویج و اشاعت آپ آخر دم تک کرتے
رہے۔ اپنے اس نظریہ کے باعث آپ کو ان دنوں میں جبکہ ملک کی سیاسی فضا بالکل
بدل گئی بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے ہمیشہ ان تمام مشکلات
کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اپنے ضمیر کے خلاف ایک لفظ بھی کبھی زبان سے نہ نکالا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر مولانا اس وقت اپنے سیاسی عقائد کسی قدر تبدیل
کر دیتے تو وہ بھی اپنی ذات اور اپنے متعلقین کو کافی فائدہ پہونچا سکتے تھے لیکن
اونھوں نے اپنے ذاتی فائدہ کی خاطر اپنے اصول کو کبھی قربان نہیں کیا۔
مولانا کے بیشتر ہموطن اُن سے ہمیشہ ناراض رہے طرح طرح کی دھمکیاں دیں اخبار
کا بائیکاٹ کیا لیکن کیا مجال کہ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہٹ جائیں۔
اُبھرتے سورج کی پرستش اور ڈوبتے تاروں سے آنکھیں پھیر لینا ان کا شیوہ
نہ تھا انھوں نے ہر دلعزیزی کی خاطر کبھی بھی اپنے اصولوں اور عقائد سے انحراف
نہیں کیا ہمیشہ اپنے اخبار کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کی مزید تائید و توضیح کرتے
رہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جب ورکنگ کمیٹی کے رزولیوشن مورخہ چودہ (۱۴) جولائی ۱۹۴۲ء میں ہندوستان کو کامل آزادی ملنے کی اپیل کی اور وہ رزولیوشن کمیٹی نے پاس کیا تو یہ وقت ہندوستان کے اخبارات اور بالخصوص غریب اُردو اخبارات کے لئے بہت ہی نازک تھا۔ یہ رزولیوشن حکومت کے لئے ایک چیلنج تھا جس کی بدولت مہاتما گاندھی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اخبارات کی پوزیشن کو گومگو کی کشمکش میں ڈال دیا گیا۔

مقامی حکومتیں اخبارات کا گلا دبانے لگیں واقعات پر رائے زنی سے روک تھام شروع ہو گئی۔ جب ذوالقرنین میں یہ رزولیوشن شائع ہوا تو حکام ضلع نے ناراضی کا اظہار کیا اور ذوالقرنین کی اشاعت کو بلا قید مدت ممنوع قرار دیدیا گیا نہ صرف ذوالقرنین کو بلکہ نظامی پریس کو بھی بند کر دیا گیا اس کے بعد حکام ضلع نے پھر ایک ماہ کے بعد اپنے اس آرڈر کو واپس لے لیا اور پریس و اخبار بدستور جاری ہو گئے۔

ان واقعات کو دیکھتے ہوئے مولانا نظامی نے ذوالقرنین کی ایڈیٹری کا کام انتالیس سال کے بعد چھوڑ دیا اور اُس کا سارا بار احمد الدین صاحب کے سر آ گیا چنانچہ چودہ (۱۴) اکتوبر ۱۹۴۲ء سے احمد الدین صاحب کا نام ایڈیٹر میں شائع ہونے لگا۔ اس سے نظامی صاحب کا ایک منشاء یہ بھی تھا کہ احمد الدین ایڈیٹری کا کام ان کے سامنے کرنے لگیں اور ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس فرض کو کس حد تک انجام دے سکتے ہیں چنانچہ احمد الدین صاحب نے ذوالقرنین کی گذشتہ پالیسی کو برقرار رکھا ذوالقرنین کے ایڈیٹوریل نوٹس اور مضامین پسند کیے گئے اور آج بھی وہ اسی شان و شوکت سے شائع ہو رہا ہے۔

۴ - ادبی خدمات

نظامی پریس کے قیام نے ان کی ادبی دلچسپیوں کو عملی جامہ پہنانے میں کافی مدد دی اور وسعت پیدا کر دی۔ یوں تو بہت سے لوگ علم و ادب کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں مگر ان کو اتنا موقع نہیں ملتا کہ وہ اپنے کارناموں کو آسانی سے پبلک کے سامنے پیش کر سکیں اور ان کے علم و خیالات سے لوگ خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکیں مگر نظامی صاحب کو خدا نے پریس عطا کیا تھا جس کی وجہ سے ان کے علمی جواہر پارے جلد از جلد پبلک کے سامنے آجاتے تھے بلکہ کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ ابھی کوئی کتاب یا مضمون مکمل طور سے نہیں لکھا گیا ہے نہ اس پر نظر ثانی ہوئی ہے چھپائی کے لئے پریس کو دے دیتے تھے تاکہ پریس کا عملہ بیکار نہ بیٹھا رہے یہی حالات تھے کہ نظامی پریس جیسے معمولی پریس نے بدایوں جیسی چھوٹی جگہ میں ادبی کتابوں کے اعلیٰ اور معیاری نمونے پیش کر کے وہ شہرت حاصل کی جو بہت سے بڑے بڑے پریس باوجود کوشش اور سرمایہ داری کے حاصل نہ کر سکے یہ سب قبلہ کی دین اور مولانا کی نیک نیتی کا پھل تھا۔

نظامی صاحب مرحوم کو غالب علیہ الرحمتہ سے بیحد شغف تھا اس لئے انہوں نے سب سے پہلے دیوان غالب کی طرف توجہ کی اور اس کو ۱۹۱۵ء میں عمدہ کاغذ نفیس چھپائی اور صحت کے ساتھ اپنے دوست سید راس مسعود کی تحریک پر شائع کیا۔ اسوقت ملک میں اردو کی کتابوں کو بہت ادنیٰ چھپائی اور معمولی کاغذ پر شائع کرنے کا رواج تھا سوائے اس کے کہ دو ایک فارسی کی کتابیں مثلاً دیوان حافظ و مثنوی مولانا روم نامی پریس کانپور نے ضرور اچھے کاغذ اور عمدہ چھپائی کے ساتھ شائع کی تھیں مگر اردو کتب کا کوئی پرسان حال نہ تھا اس دیوان کا سائز بھی انہوں نے اردو کی سب مطبوعہ کتب سے علیحدہ رکھا

تھا یہ وہی سائز تھا جس کو علامہ سر اقبال مرحوم نے اسقدر پسند فرمایا کہ اپنی تمام کتابیں بانگِ درا وغیرہ سب اسی سائز پر شائع کرائیں۔ اس دیوان غالب کو مقبولیت عام حاصل ہوئی۔ انگریزی داں حضرات نے جو اردو کتابوں کی طرف توجہ کبھی نہ کرتے تھے اس خوبصورت ایڈیشن کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ ایڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا۔ پھر دوسرے ایڈیشن کو انھوں نے اپنی شرح کے ساتھ شائع کیا یہ ایڈیشن بھی جلد ختم ہو گیا۔ تیسری مرتبہ دیوان غالب چھوٹی تقطیع پر ہر بار اہتمام سے آراستہ پیراستہ سنہرے کام کی خوشنما جلد سے مزین ہو کر شائع ہوا اس مرتبہ شرح پر نظر ثانی کی ہوئی۔ مرزا کے خطوط سے نہ دلیکر بعض معرکتہ الآرا اشعار کی شرح خود مرزا کی زبان سے لکھی گئی جس کی وجہ سے اس شرح کی خاص امتیازی صورت پیدا ہو گئی چنانچہ رسالہ معارف نے اپنے ریویو میں اس شرح پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے :۔

"یہ شرح دیکھنے کے قابل ہے اس میں شارح نے نہایت اختصار کے ساتھ اشعار کا مطلب بیان کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ خود غالب کی زبان سے اس مطلب کو ادا کیا جائے۔"

اس جدید الطبع نسخہ میں ایک قابل قدر اضافہ ڈاکٹر سید محمود صاحب غازی پوری پی ایچ ڈی حال وزیر تعلیم صوبہ بہار کا وہ عالمانہ مقدمہ ہے جس کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا نظامی کی درخواست پر لکھا ہے اس مقدمہ میں ڈاکٹر صاحب نے وہ نکات پیدا کئے جو مرزا غالب کے سوانح نگاروں یا ان کے کلام پر تنقید کرنے والوں کو اس سے پیشتر نہ سوجھے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے عالمانہ مقدمہ میں شاعری اور اصول شاعری پر بحث کرتے ہوئے غالب کی بلند پردازی شائستگی خیالات، عمق خیالات، حسن ادا مضمون آفرینی شیریں بیانی معنوینت۔ دلکشی۔ دقیقہ سنجی کی فہم رسا عظمت تخیل عجیب دانو کھے طریقۂ بیان صناعی۔ مذاق سلیم بلاغت و فصاحت [illegible]

خوشی کی لطافت و نزاکت واحساس، بے عیب طرزِ ادا، وسعتِ نظر اور عالمگیر ہمدردی و غمخواری پر اس طریقے سے اظہارِ خیالات کیا ہے جو آجتک شارحین کلام مرزا غالب کے فکر و ذہن میں بھی نہ آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "غالب بیشک انسانی ہستی کا اعلیٰ مفسر ہے اس کا کلام ہر زمانہ میں انسان کے دلی جذبات و خیالات کی تفسیر کرکے لوگوں کو خوش کرتا رہے گا۔"

"ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقدمہ میں اکثر صاحبان کے اس اعتراض کو کہ غالب سیاسی خیالات سے بے بہرہ تھے اور ان کو ملکی و قومی تباہی کا بالکل احساس نہ تھا یا شیفتگان مغربی تہذیب کے اس خیال کو کہ "غالب میں سوائے اگل و بلبل کے افسانوں کے اور کیا رکھا ہے غلط ثابت کرکے غالب کو اس روپ میں پیش کیا ہے جس سے غالب مرحوم کی سیاست جب الوطنی انسانی ہمدردی کا بے پناہ ثبوت ملتا ہے مغربی تہذیب کے دلدادہ روشن خیال اصحاب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔

ان کے دل حسن حقیقت سے ناآشنا ان کے دماغ جذباتی کیفیات سے بے بہرہ بھلا وہ ان رموز کو کیا سمجھیں ایسے ہی لوگوں کے لئے مرزا غالب نے کہا ہے :-

مطلب ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

کاش غالب کو بھی کوئی فٹز جیرالڈ مل جاتا جو اس کے کلام کے رموز و نکات کسی مغربی زبان میں اہل مغرب کے سامنے پیش کرتا۔"

ہندوستانیوں کی زندگی کا خاتمہ بہ حیثیت ایک قوم کے ۱۸۵۷ء کے مشہور ہنگامے سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور اسوقت کے شعرا اور صاحبان سیاست دانوں نے اسے محسوس کیا۔ اہل سیاست کا نتیجہ ہنگامہ ہوا اور شعرا نے مختلف طریقوں سے اس پر نوحہ کیا۔

مرزا غالب کا احساس گہرا تھا انھوں نے نہایت پر درد پیرایہ میں

غالبؔ نے ۱۸۵۷ء کی آفتوں کا اظہار کیا ہے دلی اور نواحِ دلی کی بربادی دیکھی
ہستیوں کے مٹنے کے غم، حکامِ انگریزی کے جوشِ انتقام، قومی وقار کے ضائع
ہونے پر رنج، کھوئی ہوئی ملکی آزادی پر رنج و غم، ایسٹ انڈیا کمپنی کی مظالم
مجبوری و ناچاری پر صبر و شکر کی ہدایت کا اظہار حسبِ ذیل اشعار میں کیا ہے:-

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل ؏ انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
یا رب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے ؏ لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے — یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں — آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
دل نہیں ورنہ دکھاتا تجھ کو داغوں کی بہار — اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا
میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل — دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب — لطمۂ موج کم از سیلیِ استاد نہیں
وائے محرومیِ تسلیم و بدا حالِ وفا — جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے — اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے
اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — زنہار اگر تمہیں ہوسِ ناے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں　　　نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی　　　ایک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

گلشن میں بندوبست بہ رنگ دگر ہے آج　　　قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج
آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ　　　تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا　　　جاہ و جلال عہدِ وصالِ بتاں نہ پوچھ
ہر داغِ تازہ یک دلِ داغ انتظار ہے　　　عرضِ فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ

ان اشعار کے ملاحظہ سے پتہ چل جائے گا کہ وہ ملکی حالات سے کس درجہ متاثر تھے اور اپنے ملک کی مٹی ہوئی عظمت کا کتنا گہرا احساس تھا۔

ہندو مسلم اتفاق و اتحاد کا جو غلغلہ آجکل مچا ہوا ہے اور جس شدت کے ساتھ اختلاف مٹانے اور ایک دوسرے سے ہمدردی کا پرچار کیا جا رہا ہے مرزا غالب نے اس ضرورت کو بہت پہلے محسوس کیا تھا اور مسلمانوں سے گویا وہ یہ کہتے ہیں ؎

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

شرح مذکور نہایت مقبول ہوئی۔ اس کی بھی کافی مانگ ہوئی۔ حتیٰ کہ انھوں نے اپنی زندگی میں سات ایڈیشن چھاپے۔ آخری ایڈیشن بھی مدتوں کا ختم ہو گیا ہے مگر کاغذ کی گرانی کی وجہ سے آٹھواں ایڈیشن شائع نہ ہو سکا۔

مولانا مرحوم کو علمی ذوق رکھنے والوں سے کام لینے کا ڈھب آتا تھا

یہ مولانا ہی کی ذات تھی کہ انھوں نے سر راس مسعود سے انتخاب زرّیں اور سر شاہ سلیمان صاحب چیف جسٹس الہ آباد ہائیکورٹ و جج فیڈرل کورٹ سے نفائس ذوق مرتب کرائے ۔

۱۹۲۵ء میں سر راس مسعود کی وساطت سے آپ کو اعلیٰ حضرت حضور نظام حیدر آباد کی طرف سے سو روپیہ ماہوار کی امداد بھی ملی تاکہ آپ اپنے کام کو مزید حسن و خوبی سے انجام دے سکیں ۔ یہ امداد غالباً دو سال تک جاری رہی مگر مولانا اسقدر غیور واقع ہوئے تھے کہ اس کے بند ہو جانے کے بعد نہ انھوں نے اس کی توسیع کی کوشش کی اور نہ کبھی سید صاحب سے ذکر کیا وہ ہمیشہ اپنی محنت اور قابلیت سے عزّت کے ساتھ روزی کمانے میں مصروف رہے اور کبھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا نہیں کیا ۔

۸۔ سر راس مسعود کی اُردو ادب سے دلچسپی | سر راس مسعود مرحوم نظامی صاحب کو بحیثیت اپنے بزرگ کے خیال کرتے تھے ۔ بدایوں میں صرف مولانا ہی کی وجہ سے انھوں نے اپنا مستقل مسکن بنانا تجویز کیا تھا ۔ جو محبت ان کو سرزمین بدایوں سے تھی اس کی اصلی وجہ مولانا ہی تھے بقول عبد الواحد صاحب ایم ۔ اے ڈپٹی انسپکٹر مدارس "مولانا سید طفیل احمد صاحب اور مولوی حبیب اللہ خاں صاحب کے بعد اگر کسی نے مولانا نظامی کی گہرائی کا اندازہ لگایا ہے تو وہ مسٹر مسعود ہی تھے" ۔ مولانا خود بیان فرماتے ہیں کہ سر راس مسعود کو جو خیال اُردو کی خدمات کا پیدا ہوا اس کا موجب ایک فرانسیسی مسافر تھا ۔ جو فرانس میں ان کا شریک سفر تھا انھوں نے ایک بنگالی دوست سے اُردو میں دریافت کیا کہ "کیا ٹائم ہے" یہ جملہ سن کر فرانسیسی مسافر ہنس پڑا اگرچہ کوئی بات ہنسی کی نہ تھی مگر ان دونوں ہندوستانیوں کو اس فرانسیسی کی ثقاہت پر شبہ ہونے لگا اس پر

سر راس مسعود نے اس شخص سے دریافت کیا کہ ہنسنے کی کیا وجہ تھی اس نے
متانت سے جواب دیا کہ اس بیسویں صدی میں بھی جس زبان میں وقت کے
لیے کوئی اپنا لفظ موجود نہ ہو اور وہ دوسری قوم کی زبان سے وقت کے
واسطے اس لفظ کا استعمال کرے وہ زبان کتنی ابتدائی حالت میں ہوگی۔
صرف اس طعنہ نے ان کو اردو زبان سیکھنے اور اس میں دستگاہ حاصل کرنے
پر مجبور کر دیا۔ اسی دوران میں کام نے ان کو مغربی اساتذہ کے جو جو خزانے
مختلف شعرائے اردو کے دیوانوں کی شکل میں ہندوستان میں موجود تھے
ان کو کھود کر نکالنے کی طرف توجہ دلائی۔ سر راس مسعود صاحب کو اب
یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اردو شعرا کے کلام کو اچھی طباعت اور بہترین
کاغذ پر مجلد شائع کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے منشی رحمت اللہ صاحب
رعد کو جن کا نامی پریس کانپور میں تھا خط لکھا کہ آپ اپنی بڑی خوبی
بڑے اہتمام سے شائع کرتے ہیں اور اکثر فارسی کی کتابیں دیوان حافظ
اور مثنوی مولانا روم کو اچھے کاغذ اور عمدہ طباعت کے ساتھ شائع
کیا ہے کیا اچھا ہو کہ اب اردو شعرا کے دیوان اور اردو کی دیگر کتابیں
بھی اسی شان و شوکت کے ساتھ شائع کرنے کا انتظام کر دیں۔
منشی رحمت اللہ رعد مرحوم نہایت ہی قابل مضمون نگار۔ عمدہ مصور
اور چھپائی کے ماہر فن تھے نظامی صاحب مرحوم نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں
ان سے اپنے مضامین کی اصلاح کرائی تھی اور ان کو اپنا استاد سمجھتے تھے
جب سر راس مسعود صاحب کا یہ خط منشی رحمت اللہ رعد کو ملا تو انھوں نے
نظامی صاحب کو لکھا کہ میری رائے میں تم بھی سر راس مسعود صاحب کے
مشورہ سے اردو کی کتابیں اچھی لکھائی اور چھپائی کے ساتھ شائع کرنے کا

آپ کام کر دیکھیں کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھ سے یہ کام نہ ہو
سکے گا۔ نظامی صاحب نے اس کو منظور کر لیا اور سب سے پہلے دیوان
غالب ۱۹۱۵ء میں صحت اور نفاست کے ساتھ شائع کر کے اس کی ایک
کاپی سر راس مسعود صاحب کو بھیجی جو انھوں نے بہت پسند کیا اس کے بعد
پھر سر راس مسعود صاحب کو کچھ ایسی دلچسپی ہوئی کہ انھوں نے خود
اُردو فارسی کی کتب بھی شروع کر دی تب صاحب کا دماغ اتنا عمدہ تھا
کہ ایک بار جو پڑھتے وہ اُن کو یاد ہو جاتا چنانچہ مشہور شعراء کے چیدہ
چیدہ ہزاروں اشعار ان کو حفظ یاد تھے دیوان غالب کی اشاعت کے
بعد نظامی پریس کی شہرت میں چار چاند لگ گئے اور اس کے کئی ایڈیشن مختلف
سائزوں پر شائع ہوئے۔

تھوڑے عرصے کے بعد سید صاحب کو اُردو انتھالوجی پر ایک
کتاب شائع کرنے کا خیال آیا۔ سید صاحب اس وقت حیدرآباد میں
تعلیم کے ڈائرکٹر تھے اور انھوں نے نظامی صاحب کو حیدرآباد بلایا اور
ان کے مشورے سے تذکرہ شعرائے اُردو لکھنے کی بنا ڈالی چنانچہ یہ کتاب
انتخاب زرین کے نام سے ۱۹۲۲ء میں نظامی پریس سے شائع ہوئی یہ کتاب
بہت مقبول ہوئی اور اس کے کئی ایڈیشن شائع کرنا پڑے۔

سر راس مسعود صاحب کو اردو کتب کی نفیس چھپائی اور عمدہ کاغذ
پر طبع کرانے کا خیال کیونکر پیدا ہوا اس کے بارے میں یہ واقعہ بیان
کیا جاتا ہے کہ سر مسعود مرحوم ایک مغربی سیاح کے ساتھ دلی کی سیر کر رہے
تھے۔ سیاح کی فرمائش پر کہ ہندوستان کی قومی زبان کے سب سے
بڑے شاعر کا کلام اسے دکھایا جائے، تو آپ صاحب نے ایک دیوان غا

کا نسخہ خرید کر اسے پیش کیا جس پر اسے حیرت اور نواب صاحب کو شرمندگی ہوئی۔ چنانچہ اس کے بعد نواب صاحب کی تحریک پر نظامی صاحب نے مرزا غالب کے دیوان کا ایک صحیح نسخہ عمدہ کتابت اور طباعت کے اہتمام سے شائع کیا۔ اس کے بعد مرزا غالب کے کلام کے سیکڑوں ایڈیشن نکلے لیکن ان میں پہلا فارم نظامی صاحب کا ہی ایڈیشن ہے۔ اسی طرح میر انیس کا کلام جو اردو شاعری کی تاریخ میں سادگی اصلیت۔ جوش۔ اثر آفرینی فصاحت اور بلاغت کی اپنی مثال ہے اسی اہتمام سے کئی جلدوں میں شائع ہوا نواب راس مسعود مرحوم کی طرح جسٹس سر محمد سلیمان بھی ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ قانون کے علاوہ جوان کا پیشہ تھا اور بعض سائنس اور ادب سے عشق تھا چنانچہ اساتذہ میں ذوق کے قصائد اور میر کی مثنویات مرتب کر کے نظامی صاحب کے سپرد کیں اور نظامی صاحب نے ان کتابوں کی طباعت میں اس اعلیٰ معیار کو قائم رکھا جو پہلے پہل دیوان غالب سے قائم ہوا تھا۔ یہاں ان تمام کتابوں کی تفصیل کا موقع نہیں جو مختلف اوقات میں نظامی صاحب نے شائع کیں۔ نظامی پریس کی فہرست مطبوعات سے ان کا اندازہ ہوگا لیکن یہ ماننے میں کسی کو تامل نہ ہوگا کہ اردو کتابوں کی طباعت اور اشاعت کے لئے نظامی صاحب نے ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے اور ان کی یہی ایک خدمت ان کے کارناموں کو زندہ اور انھیں نیک نام رکھنے کے لئے کافی ہے۔

۹۔ **دیگر تصانیف** | ان کے علاوہ نظامی صاحب مرحوم نے بچوں اور لڑکیوں کے پڑھنے کی چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں شائع کرنے کا خیال

کیا اور ان کی تالیف کا کام سید معین الدین مرحوم شاہجہانپوری مترجم نپولین بونا پارٹ کے سپرد کیا۔ سید صاحب اس وقت بدایوں ہائی اسکول میں اسسٹنٹ ماسٹر ہو کر آئے تھے وہ فارسی اُردو کے ادیب ہونے کے علاوہ بچّوں کے لئے آسان عبارت بڑی خوبی سے لکھتے تھے۔ سیّد صاحب موصوف کو نظامی مرحوم نے اپنے یہاں ہی رکھا تھا تاکہ وہ اُن کے صاحبزادہ احمد الدین کی تعلیم کی بھی دیکھ بھال کرتے رہیں۔ چنانچہ سیّد صاحب نے چند کتابیں راکھ سکیم، گوہر اور مٹر۔ بدمزاج شوہر، فیضی اور ریاض وغیرہ تصنیف کیں جن کے کئی کئی ایڈیشن نظامی پریس سے چھپکر شائع ہوئے بچّوں نے ان کتابوں کو بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ اس سے قبل سیّد سجاد حیدر کی مشہور نظم مرزا پھویا کو کتابی صورت میں شائع کر چکے تھے جس کو مقبولیت عام حاصل ہوئی۔ آپ کی ایک مشہور کتاب قاموس المشاہیر ہے جس میں آپ نے تمام مشاہیر کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں یہ کتاب بڑے سائز کی دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے اس کتاب کی ترتیب مولانا نے ۱۹۱۵ء میں شروع کی اور جلد اوّل کا مسودہ ۱۹۲۴ء میں پریس میں بھیجا گیا۔ جلد دوئم ۱۹۲۶ء میں طبع ہوئی یہ کتاب تنہا مولانا نظامی کی بارہ سالہ مسلسل اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے اس کتاب کی نسبت مشاہیر ملک اور اخبارات نے اپنی رایوں اور تبصروں میں بیان کیا ہے کہ اُردو زبان میں اپنی قسم کی سب سے پہلی کتاب ہے اور مصنف کی محنت شاقہ، جد وجہد اور حسن ترتیب کی داد دی ہے ہندوستان ریویو، ہمایوں، مدد زمانہ لکھنؤ وغیرہ نے بہترین ریویو لکھے۔ ڈاکٹر سر شفاعت احمد خاں، خان بہادر مولوی فصیح الدین، نواب مسعود جنگ بہادر، صاحبزادہ آفتاب احمد، آنریبل جسٹس سر شاہ محمد سلیمان، علامہ عبداللہ یوسف علی وغیرہ صاحبان نے مولانا کو اس تالیف پر مبارکباد دی ہے۔ ان کی کوششوں اور جد وجہد کو

سراہا ہے۔ ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان صاحب تحریر فرماتے ہیں :- جب
"اردو کے مشہور انشا پرداز مولوی نظام الدین حسین صاحب
نظامی بدایونی نے کمال محنت و مشقت سے اس قابل قدر کتاب
کو مرتب کیا ہے جو اپنی خوبی میں یکتا ہے زمانہ قدیم و حال کے مشہور
اکابر کی مختصر سوانح عمریاں اس کتاب میں لونت وار جمع کی گئی
ہیں جو نہایت مفید اور کار آمد ثابت ہوں گی۔ میں مولانا نظامی کو
مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس جانفشانی کا اجر
مولانا موصوف کو مقبولیت کتاب سے حاصل ہوگا"
اس کتاب کی اشاعت پر ملک میں دھوم مچ گئی
اس سلسلہ میں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ان کے زمانہ طالب علمی کے
ایک دوست اور ساتھی مولوی محمد احمد فرشوری بدایونی تھے جو شاہجہانپور میں
ملازم تھے مگر اکثر تعطیلات میں رخصت لیکر بدایوں آیا کرتے تھے کچھ دنوں کے بعد
ان کا تبادلہ بجنور اور پھر بجنور سے بدایوں ہو گیا۔ دونوں میں بڑی محبت تھی
ان کا خط پاکیزہ تھا۔ قاموس المشاہیر کا زیادہ تر مسودہ انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا
ہے۔ انھوں نے اس کتاب کی تالیف میں بڑی مدد دی تھی۔ ان کا انتقال
۲۴ جنوری سنہ ۱۹۴۷ء کو ہوا۔

مولانا مرحوم کی دوسری تصانیف "پڑھو پڑھاؤ"۔ بدایوں قدیم و جدید۔
سیاحت ولی عہد۔ سیرۃ الحمید (سوانح مولوی حمید الدین صاحب بانی مدرسہ) کارنامہ محمود
رضیہ اور مسعود بھی ہیں۔ انھوں نے بہت سے مشہور شعراء کے دواوین مثلاً
دیوان رنگین و انشا۔ نظیر کا دیباچہ۔ دیوان جان صاحب۔ انیس و دبیر کے
پانچ مرثیے وغیرہ وغیرہ بھی صحت اور صفائی کے ساتھ شائع کئے ہیں جن میں اکثر

مشکل الفاظ کی فرہنگ بنا کر شامل کی ہے اور ان کے مبسوط اور مفید دیباچہ لکھے ہیں۔ خود اپنی نظموں کا ایک مجموعہ تجلیات سخن کے نام سے ۱۹۳۰ء میں شائع کیا جس کے مقدمے مولوی قمر الحسن صاحب قمر بدایونی اور قمر الدین صاحب حسب افسردی نے لکھے ہیں اور اس طرح اس قران القمرین نے تجلیات سخن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ بعض کتابیں بالکل نایاب ہیں اُن کے نام تلاش سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ نظامی صاحب نے اپنی نظموں کا مجموعہ بھی ترتیب دے لیا تھا اور ان کی بڑی خواہش تھی وہ طبع ہو جائے مگر کئی سال سے کاغذ پر کنٹرول کی دقتوں نے اس کی اشاعت کا موقع نہیں دیا۔ امید ہے کہ مولوی احمد الدین صاحب ان کے اس مجموعہ کو ضرور شائع فرما دیں گے۔

مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری اُن کے سچے دوست تھے۔ انہوں نے جب اپنی مشہور کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" لکھی تو وہ کئی کئی ماہ بدایوں میں اُن کے ساتھ ٹھہرتے تھے اور نظامی صاحب اس میں اُن کے شریک کار تھے۔

سید طفیل احمد صاحب کا انتقال ۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو ہوا۔ انہوں نے جب انتقال کی خبر سنی تو کئی گھنٹے بالکل خاموش رہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کے بعد اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ مولانا چلے گئے ہماری زندگی بھی بیکار ہے۔

مولانا نظامی کی آخری تصنیف مولانا سید طفیل احمد صاحب کی سوانح تھی مگر افسوس کہ اگرچہ اس کا کثیر حصہ انھوں نے تیار تو کر لیا مگر وہ اُن کی زندگی میں چھپکر شائع نہ ہو سکی۔ اب یہ کام مولانا کے مخلص اور نظامی صاحب کے دوست خان بہادر حاجی مولوی حبیب اللہ خاں صاحب علی گڑھ میں باوجود ناسازی طبیعت اور پیرانہ سالی کر رہے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اپنے دوست کی سوانح کو جلد مکمل کر لیں تاکہ آیندہ نسلوں کے لیے شمع راہ ہو۔

۱۰- حیات طفیل سے دلچسپی | مولانا نظامی صاحب مرحوم جو کام بھی کرتے تھے وہ انتہائی انہماک سے کرتے تھے اور یہی اون کی کامیابی کا راز تھا۔ حیات طفیل جس کی ترتیب اور تکمیل اُن کی آخری تمنا تھی اوس سلسلہ میں جو خط انہوں نے سیّد اصغر علی شاہ نادری (بی۔ اے علیگ، پی سی ایس) کو ۲۹ رمئی ۱۹۴۷ء کو تحریر کیا اُن کی دلچسپی کا اُس سے اندازہ ہوگا یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مولانا نظامی کا انتقال ۷، ۸ رجون ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب میں ہوگیا یعنی اس خط کی تحریر سے نو روز بعد انتقال ہوا۔

نظامی پریس بدایوں
۱۹ رمئی ۱۹۴۷ء

مکرمی و محترمی جناب شاہ صاحب

السلام علیکم۔ اُمید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ میرا ارادہ اب مولانا کی لائف کے سلسلہ میں ۵ یا ۶ جون ۱۹۴۷ء کو علی گڈھ جانے کا تھا محمد احمد سلمہٗ کو میں نے لکھ بھی دیا تھا کہ میں اون کو بریلی کے اسٹیشن پر مل جاؤں گا تاکہ علی گڈھ ساتھ پہونچیں۔ محمد احمد تو ۲۰۔ ۲۵ روز کے لئے علی گڈھ جارہے ہیں لیکن آج حضرات حسین صاحب صابری کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ یکم تا بتہ ۱۵ رجون علی گڈھ میں موجود نہ رہیں گے۔ لکھنؤ جارہے ہیں آپ کو معلوم ہوگا کہ صابری صاحب موصوف خان بہادر الحاج مولوی حبیب اللہ خاں صاحب کے ساتھ علی گڈھ میں مولانا کے روزنامچوں سے لائف کے لئے اقتباس کا کام کررہے ہیں بہت سا کام ہوگیا ہے اب مجھے اور محمد احمد کو یہ دیکھنا ہے کہ روزنامچوں کا خلاصہ یا اقتباس کیا ہوا ہے اور کس کس باب میں اوس کی کھپت ہوگی۔ لیکن اب جبکہ یکم تا بتہ ۱۵ رجون صابری صاحب موجود بھی نہ ہوں گے

تو میں ۲۰ جون کو جانا بیکار سمجھتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ احمد کی لڑکی
کی شادی ان کے بھانجے کے ساتھ جو ایم۔ اے کا امتحان دے کر آرہا ہے
۱۵ جون کے بعد ۱۸ یا ۱۹ جون کو ہوگی اس شادی کی وجہ سے جون کے پہلے
دو ہفتے یہاں کی مصروفیت کے رہیں گے۔ اس لئے صابری صاحب کے واپس
آجانے پر میں ۱۲ ر ۲۲ جون کو ایک ہفتہ کے لئے علی گڑھ جا سکوں گا۔ محمد احمد
کو بھی لکھ دیا ہے۔ آپ نے بھی علی گڑھ جانے کا ارادہ دو ایک دن کے لئے اپنے
پچھلے خط میں ظاہر فرمایا تھا معلوم نہیں آپ کن تاریخوں میں جا سکیں گے۔ کیا
اچھا ہو کہ آپ بھی جون کے آخری ہفتہ میں میری اور محمد احمد کی موجودگی
میں علی گڑھ پہنچیں۔

والسلام

خاکسار نظامی

اس خط کے ملاحظہ سے ناظرین کو ظاہر ہوگا کہ جناب نظامی صاحب کو کس قدر گہری دلچسپی اپنے مرحوم دوست مولانا طفیل احمد صاحب مرحوم منگلوری (علیگ) کے سوانح حیات مرتب کرنے میں تھی۔

بابِ دُوم

تعلیمی جد و جہد

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے دلچسپی

بیسویں صدی کی ابتداء میں مسلمانوں کی جد و جہد صرف تعلیم تک محدود تھی اس کے بعد مسلمانوں کو معاشی اور اقتصادی کمزوری کا احساس ہوتا گیا جس کے باعث قومی سرگرمیوں میں وسعت پیدا ہو گئی اور تعلیم کے میدان سے آگے قدم بڑھا کر زندگی کی دوسری ضروریات کی جانب توجہ شروع ہوئی زمانہ کے تقاضوں کے مطابق پہلے مولانا نظامی صاحب تعلیمی جد و جہد میں حصہ لیتے رہے اور یہ وہ کام تھا کہ جس میں وہ آخر دم تک مشغول رہے۔ جب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی تحریک شباب پر تھی تو مولانا نظامی کی تحریک پر بدایوں میں ایک بڑا جلسہ مشن اسکول کے ہال میں کیا گیا جس کی صدارت سر آفتاب احمد خاں صاحب نے فرمائی تھی اس سلسلہ میں ایک بڑی رقم مسلم یونیورسٹی فنڈ کے لیے جمع کر کے روانہ کی گئی۔

مسلم یونیورسٹی کی بہبودی اور قیام کے لیے اون کا اخبار ذوالقرنین وقف تھا مولانا نے مسلسل مضامین لکھ کر مسلم یونیورسٹی کی تحریک سے لوگوں کو روشناس

باب دوم

کرایا اور دلچسپی پیدا ہوئی۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مولانا نظامی
ایک پورانے کارکن ممبر تھے سنہ ۱۹۱۴ء میں خان بہادر مولوی محمد بشیر الدین صاحب مقتدیا
نے اٹاوہ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کا اجلاس کیا۔ پہلی جنگ عظیم کانفرنس
کے پروگرام میں تعطل پیدا کرنے کا موجب ہوئی۔ دس برس تک کوئی نمایاں
کامیابی نہ کرسکی سنہ ۱۹۲۴ء میں کانفرنس کا دفتر بدایوں منتقل ہوا۔ مولانا نظامی نے
سنہ ۱۹۳۰ء تک کانفرنس کے جوائنٹ سکریٹری کی حیثیت سے کام کرکے
مسلمانوں کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ باوجود مختلف دشواریوں کے
اس کام کی ذمہ داری اُنھوں نے اپنے اوپر لی سنہ ۱۹۲۴ء سے بہ حیثیت
آنریری سکریٹری کام کر رہے تھے۔ کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت
کے لئے دور دراز مقامات کا سفر کرتے تھے۔ وہ اجلاس میں محض ایک
تماشائی کی حیثیت سے شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ کارکنان اجلاس کی پوری
سرگرمی سے مدد کرتے اور محنت طلب کام میں عملی حصہ لیتے تھے۔ اسی وجہ سے
مولوی سید طفیل احمد صاحب جو آل انڈیا کانفرنس کے آنریری جوائنٹ سکریٹری
اور اس کے بعد وائس پریسیڈنٹ تھے کارکنان اجلاس کی امداد کے لئے
مولانا نظامی کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کرتے تھے اور اس میں کوئی شبہ
نہیں کہ وہ ایام اجلاس میں برابر مصروف و منہمک رہتے تھے اور بہت کام
انجام دیتے تھے۔

کانفرنس کے علاوہ نظامی صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ
کے ممبر بھی رہے اپنے اخبار ذوالقرنین کے ذریعہ نیز دوسرے طریقوں سے
اس کی خدمت کرتے رہے۔ وہ اکثر اخبار میں مسلمانان صوبہ کی تعلیمی شکایات
و مشکلات کے بارہ میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ کہتے رہتے تھے جو جذباتی رنگ میں ظاہر

بلکہ واقعات واعداد پیش کیا ہوتا تھا۔ اور اس سلسلہ میں معقول وجوہ کی بنا پر حکومت سے مطالبہ کیا جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی ان شکایات کو دور کرے ہمارا خیال ہے کہ مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کے متعلق شاید ہی ہمارے صوبہ کے کسی اخبار نے اس کثرت سے لکھا ہو جس قدر ذوالقرنین نے لکھا۔ اگرچہ امراض اور پیرانہ سالی کی وجہ سے جسمانی قوت عرصہ سے روبہ انحطاط تھی لیکن بہ تفضلہ تعالیٰ دل کی قوت اور ہمت برقرار تھی دماغ اسی طرح پر کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ماہ مارچ محرم ۱۳۴۹ھ میں انہوں نے بہار کا سفر کیا پھر ضلع بریلی میں قصبہ آنولہ میں صوبہ کی ایجوکیشنل کانفرنس کا انعقاد کرایا۔ یہ کانفرنس ان کی زندگی کی آخری کانفرنس تھی جو ۱۹۳۰ء۔ ۱۲ اپریل میں ہوئی اس کے انعقاد کی ایک غرض یہ بھی معلوم ہوتی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ جو پودا انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لگا کر اپنی عمر کا ایک کثیر حصہ اس کی پرورش میں صرف کر دیا ہے اس کو اپنی زندگی ہی میں اہل ہاتھوں کے سپرد کر دیں تاکہ اطمینان قلب کے ساتھ وہ اس دنیا سے رخصت ہو سکیں۔ چنانچہ انھوں نے اس کانفرنس میں جو انتخابات کئے وہ اسی نظریہ سے کئے اگرچہ صوبہ کی کانفرنس کے لیے کوئی سرمایہ نہ تھا لیکن وہ خود ہی تمام کام کانفرنس کا سال بھر کرتے رہتے تھے۔ کانفرنس کی تجاویز کی تکمیل ان پر عملدرآمد۔ گورنمنٹ سے ان کے بارہ میں خط وکتابت ان کی منظوری کی کوششیں یہ سب کام وہ تنہا کرتے رہتے تھے۔ یو۔ پی میں مدرسین میں مسلمانوں کی نیابت اور مسلم تعلیمی تحفظات کے سلسلہ میں گورنمنٹ میں جو پوزیشن لیکر وہ گئے۔ ان کے لیے جد وجہد کی وہ ایک بڑا کارنامہ ہے امید ہے کہ ان کے قائم مقام اسے پایہ تکمیل کو پہونچا دیں گے۔ اگرچہ بدلے ہوئے حالات میں ان کی تکمیل فی الواقع بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔

باب دوم

۲۔ تعلیمی اداروں کی کس مپرسی

تعلیمی انجمنوں اور اداروں کی کس مپرسی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جو مخلص مسلمان اپنا قیمتی وقت اور دماغ مسلمانوں کی تعلیمی خدمت میں صرف کرتے ہیں ہماری قوم ان کی قدر و منزلت نہیں کرتی اور ملک کے کسی گوشہ سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی عوام کا تو کیا ذکر ہے خواص بھی ان کی خدمات پر توجہ نہیں کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہماری قوم کے وہ تعلیم یافتہ اصحاب جو کسی قدر صاحب ہمت منچلے ہیں تعلیم جیسی خشک اور بے کیف تحریک سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے البتہ جن کی طبیعت ہنگامہ پسند نہیں ہے اور جو خاموشی کے ساتھ اپنی قوم کی کوئی مخلص خدمت کرنا چاہتے ہیں وہ ایسے کام اپنے ہاتھ میں لیتے اور اپنا فرض بڑی محنت سے انجام دیتے ہیں۔ پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی یہ خوش نصیبی تھی کہ نظامی صاحب اس خدمت کے لئے تیار کر لئے گئے وہ پہلے اس کانفرنس کے جوائنٹ سکریٹری تھے اس کے بعد آنریری سکریٹری منتخب ہوئے۔ اپنے عہدہ پر مامور ہوتے ہی انہوں نے کانفرنس کا باقاعدہ دفتر قائم کرکے اپنی عادت کے مطابق سرگرمی سے کام شروع کر دیا۔ جب

جو لوگ ذاتی طور پر نظامی صاحب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ نظامی صاحب مرحوم محنت کا مجسمہ تھے ان کی ساری کامیاب زندگی پیہم عمل اور استقلال کا مظاہرہ تھی ان کی طبیعت ہنگامہ پسندی اور نمود و نمائش سے کوسوں دور رہتی تھی وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو کام کی ابتدا تو بڑے زور شور سرعت اور تیزی سے کرتے ہیں مگر صبر و استقلال کے فقدان کی وجہ سے جب عملی مشکلات سامنے آتی ہیں تو جی چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ نظامی صاحب بڑے حوصلہ مند اور باہمت انسان تھے جو مشکلات اور مایوسیوں سے کبھی دل شکستہ نہ ہوتے تھے اور مسلسل محنت اور استقلال سے ہر کام کو پورا کرکے چھوڑتے تھے اور محنت سے لذت اندوز ہوتے تھے۔

۳۔ صوبہ تعلیمی کانفرنس کے اجلاس | نظامی صاحب نے صوبہ کی کانفرنس کا سالہاسال تک جو کام کیا اس کی داستان طویل بھی ہے اور سبق آموز بھی لیکن اس موقع پر تفصیل کی گنجائش نہیں۔ مختصر کیفیت یہ ہے کہ نظامی صاحب نے کام ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں کا سلسلہ ازسرنو شروع کیا جائے تاکہ صوبہ کے مسلمان اپنی قوم کے بچوں کی تعلیم پر متوجہ ہوں اور تعلیم میں جو مشکلات ہیں وہ منظر عام پر آجائیں۔ اس کوشش میں انھیں کامیابی ہوئی۔ کانفرنس کے اجلاس سال بہ سال ہونے لگے لیکن یہ واضح رہے کہ سالانہ اجلاس کی دعوت نظامی صاحب کو گھر بیٹھے نہیں ملتی تھی بلکہ اس مقصد کے لیے انکو ہر سال بڑی بڑی زحمتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ پہلے تو وہ صوبہ کے مختلف اضلاع میں سے کسی ایک ضلع کو جہاں کچھ تعلیم یافتہ مسلمان موجود ہوں اجلاس کے لیے تجویز کرکے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں سے مراسلت کرکے انھیں ترغیب دیتے تھے کہ وہ کانفرنس کے سالانہ اجلاس کا انتظام کریں۔ مگر عموماً اس طریقہ سے کامیابی نہیں ہوتی تھی اس لئے وہ خود جاکر لوگوں سے ملتے اور ان کو اس کام کے لئے آمادہ کرتے تھے۔

اس مرحلہ سے گذرنے کے بعد کانفرنس کے اجلاس کی صدارت کا مسئلہ سامنے آتا تھا۔ نظامی صاحب کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ صوبہ کا کوئی ایسا معزز و قابل شخص کانفرنس کی صدارت کرے جو اپنی قابلیت کی بنا پر تعلیمی معاملات میں قوم کی رہنمائی بھی کرسکے اور کانفرنس کو مالی امداد بھی دے تاکہ اُس کا کاروبار جاری رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی کام بغیر سرمایہ کے نہیں چل سکتا۔ کانفرنس کے پاس کوئی مستقل سرمایہ نہ تھا۔ فیس ممبری کھوڑی سی تھی اس پر بھی ممبروں کی تعداد بہت کم۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ صدر اجلاس سے مالی امداد حاصل کریں۔

طویل جد و جہد کے بعد آخرکار وہ ایسا صدر منتخب کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے پچھلے چند سال میں جن اصحاب نے کانفرنس کی صدارت کی ان میں سے اکثر صوبہ کی اسمبلی کے ممبر تھے یا کوئی اور ممتاز حیثیت رکھتے تھے ان میں سے چند کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :-

۱- آنریبل ڈاکٹر سر شاہ سلیمان صاحب۔
۲- نواب صدر یار جنگ بہادر۔ مولانا الحاج ڈاکٹر محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صاحب
۳- نوابزادہ محمد لیاقت علی خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے۔
۴- نواب سر محمد احمد سعید خاں صاحب (نواب چھتاری)
۵- مولوی حاجی محمد عبیدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے۔
۶- نواب جمشید علی خاں صاحب رئیس باغپت۔
۷- نواب سر محمد یوسف۔
۸- مولانا حسرت موہانی وغیرہ۔

۴- <u>کانفرنس کی تجاویز</u> | کانفرنس میں بحث و گفتگو کے بعد جو ریزولیشن منظور ہوتے تھے نظامی صاحب سال بھر تک ان کی تعمیل و تکمیل میں مصروف رہتے اور صوبہ کے سربر آوردہ اور تعلیم یافتہ مسلمانوں سے اس سلسلہ میں برابر خط و کتابت کرتے، اس کے علاوہ جن تجاویز کا تعلق حکومت سے ہوتا اس کے متعلق صوبہ کے وزیروں اور متعلقہ حکام سے مراسلت کر کے مسلمانوں کی شکایات کی اصلاح کا مطالبہ کرتے اور اسکے بعد ڈیپوٹیشن مرتب کر کے وزیر تعلیم یا حسب ضرورت گورنر کے پاس جاتے۔

چنانچہ ۱۹۳۷ء میں گورنمنٹ کے ایما سے وزیر تعلیم صاحب کی صدارت میں ایک کانفرنس مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پر غور کرنے کے لئے بمقام لکھنؤ

منعقد ہوئی جس میں ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم بھی شریک ہوئے اس کانفرنس میں نمائندگان کانفرنس کے علاوہ صوبہ کے دیگر مسلم اصحاب (جو مسلمانوں کی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے سمجھے گئے تھے) دعوت دی گئی۔

اس کانفرنس نے اپنا ایجنڈا اس میموریل کو بنیاد قرار دیکر جو گورنر صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجا گیا تھا مرتب کیا۔ ۱۲-۱۳ فروری کو اس ایجنڈے پر بحث ہوکر چالیس مطالبات اس کانفرنس نے منظور کر کے گورنمنٹ کی خدمت میں بھیج دیئے۔ گورنمنٹ نے مولوی حاجی سعید الدین خاں مرحوم اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیم کو ان مطالبات کی تحقیقات کے لیے ۲۹ جون ۱۹۳۴ء کو مقرر کیا کہ وہ ان مطالبات کی جانچ کر کے گورنمنٹ کو رپورٹ کریں کہ وہ کس حد تک قابل منظوری ہیں۔ اسسٹنٹ ڈائرکٹر صاحب مذکور کی رپورٹ مطلوبہ ۱۹ نومبر ۱۹۳۴ء کو تیار ہوگئی۔

۱۹۳۵ء تک اس رپورٹ کے نتیجہ کا اعلان نہ ہونے پر ۱۹۳۶ء میں یہ معاملہ مسلم ممبران کونسل کی طرف سے پیش ہوا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۶ء کے گزٹ میں یہ مطالبات اس غرض سے شائع کیے گئے کہ پبلک کی رائے معلوم کی جائے۔ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے اس پر اپنا مفصل نوٹ اپریل ۱۹۳۶ء میں بھیجا جب چھ مہینے تک کوئی نتیجہ نہ نکلا تو نومبر ۱۹۳۶ء میں کونسل میں مسلم ممبران نے جن کا کانفرنس سے بھی تعلق تھا سوالات کیے۔ آنریبل وزیر تعلیم صاحب کی طرف سے یہ جواب ملا کہ گورنمنٹ نے جو احکام صادر کیے ہیں ان کے رزولیوشن کا مسودہ تیار ہوگیا ہے جو گورنمنٹ کے زیر غور ہے وہ بہت جلد شائع کیا جاوے گا اس معاملہ میں مسلسل آٹھ سال تک گورنمنٹ کو یاددہانیاں کرائی گئیں، اسمبلی میں سوالات ہوئے، ہر سال کانفرنس میں گورنمنٹ کو توجہ دلانے

کے رزولیوشن پاس ہوئے۔ ان چالیس مطالبات نے اس مدت میں ایک ہنگامہ برپا رکھا اور گورنمنٹ انگریزی نے اپنی عدم توجہی اور سرد مہری کا وہ طریقہ اختیار کیا جس کی مثال شاید کسی ریاست یا پرانی حکومت کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ آخرکار ۱۳ جون ۱۹۲۴ء کو گورنمنٹ کے جوابات کا نقشہ ان تجاویز کے متعلق موصول ہوا جس کو ہم درج ذیل کرتے ہیں :-

نمبر شمار	تجویز منظور شدہ لکھنؤ کانفرنس ۱۹۲۳ء	گورنمنٹ کا جواب
۱-	یہ کہ اس کانفرنس کی رائے ہے کہ ۱۹۱۲ء کی اصلاحات کے بعد سے مسلمانوں کی تعلیم نے کافی ترقی نہیں کی۔	۱- مسلمانوں نے دیگر اقوام کے ساتھ ساتھ اتنی ترقی نہیں کی جتنی کہ کرنا چاہیے تھی لیکن واقعات اور اعداد سے ظاہر ہے کہ مسلمان نسبتاً قابل اطمینان ترقی کرنے میں ناکامیاب نہیں رہے۔
۲-	تعلیمی ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد کم از کم ۳۰ فی صدی ہونی چاہیے۔ ملازمتوں کے بعض شعبوں میں موجودہ تعداد اس سے کم ہے اس لیے کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ ۳۰ فیصدی سے زیادہ براہ راست ملازمتوں میں بھرتی ہونے کی نسبت مسلمانوں کی بڑھائی جائے۔	۲- گورنمنٹ نے یہ اصول مان لیا ہے کہ ملازمتوں میں داخل کرنے کے موقعہ پر ہر فرقہ کی معقول نیابت کا لحاظ رکھا جائے اور کسی فرقہ کے عنصر کو غالب ہونے سے باز رکھا جائے۔ مگر گورنمنٹ کے نزدیک یہ قرین انصاف نہ ہوگا کہ ملازمتوں میں مختلف فرقوں کے درمیان جو عدم تناسب موجود ہے اس کی اصلاح کسی عام

تاکہ جلد سے جلد ان شعبہ جات میں ان کی کمی پوری ہو جائے۔

فرقہ کے لوگوں کو خلاف تناسب ملازمتوں میں زیادہ تعداد میں داخل کر کے کی جائے۔ کیونکہ کسی ایسے اصول پر عمل کرنے سے شدید انتظامی دشواریاں لاحق ہوں گی۔

۳۔ لوکل بورڈ کو لازم ہے کہ وہ مسلم مدرسین کی تعداد اسی نسبت سے رکھے جو اس بورڈ میں مسلم ممبران کی ہے بجز ایسی صورتوں کے جبکہ تعلیمی شرط پوری کرنے والے مسلم استاد نہ مل سکیں۔

۳۔ لوکل باڈیز (میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈوں) کو اپنا انتظام خود کرنے کا اختیار ہے گورنمنٹ براہ راست ان کو کسی فرقہ کے لوگوں کو ملازمتیں دینے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ کارروائی کی جا رہی ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے قواعد تعلیم کی دفعہ ۲۴ (۱) (ا) (د) میں مسلمان استادوں کی مناسب نیابت کی بابت جو شرائط ہیں ان کی پابندی کی جاوے۔

۴۔ صوبہ متحدہ کے بورڈ آف اسکول و انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن میں مسلمانوں کی نیابت کا مناسب تعداد اس طور پر حاصل کیا جائے کہ سنہ ۱۹۲۱ء کے انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن ایکٹ دفعہ ۳ (۲) میں تعداد ظاہر کرنے والا عدد ۳ کی بجائے

۴۔ یہ تجویز کہ ہائی اسکول و انٹرمیڈیٹ بورڈ کی ممبریوں کی کچھ نشستیں مسلمانوں کے لئے محفوظ رہیں اس امر کی مقتضی ہے کہ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن ایکٹ میں ترمیم کی جائے یہ مسئلہ بھی زیر غور ہے۔

نمبر	مطالبہ	جواب
	میں رکھا جاوے اس کانفرنس کی رائے میں کافی نمائندگی کے لئے ۳۰ فیصدی نسبت مسلمانوں کو دی جائے۔	
۵۔	۱۹۲۱ء کے انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن ایکٹ کی دفعہ (۱۳) (۲) میں ذیل کی ترمیم کی جاوے شرط یہ ہے کہ انٹرمیڈیٹ بورڈ کی کمیٹیوں کا انتخاب بذریعہ سنگل ٹرانسفر ایبل ووٹ ہو؟	۵۔ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن ایکٹ کی ترمیم زیر غور ہے
۶۔	ڈیپارٹمنٹل امتحانات کے ممتحنوں کا تقرر کرنے کے لیے جو سرکاری کمیٹی ڈائرکٹر صاحب تعلیم بنائیں اس میں ایک مسلمان ممبر ضرور شریک کیا جائے تاکہ ممتحنوں میں تمام فرقوں کی مناسب نمائندگی قائم رہے۔	۶۔ گورنمنٹ کے نزدیک یہ مناسب نہیں ہے کہ ممتحنوں کے تقرر یا ممتحن انتخاب کرنیوالی کمیٹی کے ممبران کے تقرر میں فرقہ داری کو دخل ہو۔
۷۔	مسلمانوں کے نسبتی افلاس کی وجہ سے ان کے لئے یہ مشکل ہو گیا ہے کہ جہاں کہیں اسلامیہ اسکول قائم کرنے کی ضرورت ہو وہاں سرکا…	۷۔ مسلم اینگلو ورنا کیولر اسکولوں کی تعداد کے اعداد کی گورنمنٹ نے جانچ کی گورنمنٹ کی رائے ہے کہ محکمہ ان اسکولوں کے ساتھ ہمدردانہ اور فیاضانہ سلوک کر رہا ہے یہ یقین

پورا کر سکیں۔ اس لیے یہ کانفرنس
زور کے ساتھ سفارش کرتی ہے
کہ ثانوی تعلیم دینے والے مدارس
کو مدد دینے کے لیے جو قواعد
مقرر ہیں ان کا نفاذ اسلامیہ مدارس
کو امداد دینے کی حالت میں سختی
کے ساتھ نہ کیا جائے۔ یہ اسلامیہ مدارس
کی درخواستیں جو امداد کے لیے
موصول ہوں ان پر احکام
صادر کرنے میں فراخ دلی سے
کام لیا جائے۔

۷۔ یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ
ورنا کولر مڈل مدارس کے بورڈنگ
میں رہنے والے مسلمان طلبا کی
آسانیوں کے لیے گورنمنٹ نے
جو احکام صادر کیے ہیں وہ ڈسٹرکٹ
بورڈ کے تعلیمی قواعد میں درج کر دیے
جاویں۔

یہ یقین دلایا گیا ہے کہ جو ہمدردانہ
برتاؤ پچھلے سالوں میں ہوتا رہا ہے
وہ جاری رکھا جائے گا۔

۸۔ اس مسئلہ پر کہ مسلمان اُستاد کافی
تعداد میں ورنا کولر مڈل اسکولوں
کے بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ مقرر کیے
جاویں تاکہ مسلمان بورڈروں کی تعداد
میں اضافہ ہو غور کیا جا رہا ہے۔ رہا
دوسرا جز یعنی یہ کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں
کے تعلیمی قواعد میں اس حکم کا اضافہ کیا
جاوے کہ مسلمان بورڈروں کے لیے
علیحدہ باورچی خانوں اور پکانے کے
برتنوں کا انتظام کیا جاوے گورنمنٹ نے

اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ چونکہ بنیادی تعلیم کی اسکیم کے سلسلہ میں ابتدائی تعلیم کی جدید تنظیم درپیش ہے اور اس کے لیے کثیر روپیہ کی ضرورت ہوگی اس لیے یہ معاملہ فنڈ دستیاب ہونے کے وقت تک کے لیے ملتوی کیا جائے۔

۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ ہر ضلع کی ابتدائی تعلیم کے لیے جو وظائف دیئے جاتے ہیں ان میں سے اسلامیہ مدارس و مکاتب کے لیے علیحدہ وظائف مخصوص کر دیئے جاویں۔

۹۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں کے قواعد تعلیم کی دفعہ ۴۶ (۳) کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ وظائف کی تقسیم میں بورڈ اس کا لحاظ رکھے گا:-

"کچھ تعداد وظائف کی ان اسپیشل اسلامیہ اسکولوں کے لیے جو قاعدہ ۵۷ کے تحت میں قائم ہوئے ہیں نیز امدادی مکاتب کے لیے جو حاضری اور معیار تعلیم کے لحاظ سے مستحق ہوں گے محفوظ رکھی جاوے گی۔"

ان الفاظ پر نظر رکھتے ہوئے کانفرنس کی خواہش کے مطابق وظائف کی تعداد مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۰۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں کو مالی امداد دی جائے کہ مسلمان لڑکیوں کے

۱۰۔ ۱۰ و ۱۱ (۱) ایضاً۔ حسب دیہاتی رقبہ میں پبلک کی رضاکارانہ خواہش

مدارس قائم کریں اور ان کی مدد
کریں جیسا کہ ڈسٹرکٹ بورڈو کے
قواعد تعلیم کے قاعدہ ۹۷ و ۱۰۷
و ۱۰۵ میں درج ہے اور قواعد
۱۰۸ میں اسی طرح ترمیم کی جائے
کہ جس کی رو سے ڈسٹرکٹ بورڈ
مدرسین کی پوری تنخواہ کی برابر
مدد دے سکیں۔

۱۱۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں
کے لیے علحدہ رقم مخصوص کر دے
تاکہ وہ اپنے قواعد تعلیم کے قاعدہ
۱۰۰ کو قابل عمل بنا سکے۔

کی بنیاد پر تعلیم نسواں کی توسیع ہوگی اور
اس کے لیے اور وظائف کے لیے فنڈ
دستیاب ہوں گے اس امر کا کہ مسلمان
لڑکیوں کی تعلیم میں دوسرے فرقوں
کے ساتھ ساتھ ترقی ہو پورا لحاظ کیا
جاوے گا اور مسلمانوں کی مذہبی ثقافتی
اور تعلیمی ضروریات پر مناسب توجہ کی
جاوے گی۔

۱۱۔ (۲) اردو کی تعلیم کے لیے مناسب
انتظام کیا جائے نیز ان مدارس
میں جہاں لڑکے اور لڑکیاں
ساتھ ساتھ تعلیم پاتے ہیں
اگر والدین درخواست کریں
تو لڑکیوں کے لیے پردہ کا انتظام
کیا جاوے۔

۱۱۔ (۲) ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم نے
انسپکٹران مدارس و چیف انسپکٹریس گرلس
اسکول کے نام ہدایت جاری کر دی ہے
کہ وہ ضلع کے افسران معائنہ کو ہدایت
کریں کہ بروقت معائنہ وہ دیکھیں کہ آیا
ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکولوں میں اردو
کی تعلیم کے انتظام میں اگر کوئی کمی ہو تو جلد
اس کے دور کرنے کی کارروائی کی جاوے
گورنمنٹ نے ڈائرکٹر صاحب کو مطلع کیا ہے

کہ یہ طے کر دیا گیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مدارس نسواں میں جہاں پردہ کرنے والی لڑکیاں پڑھتی ہیں یا جن کے والدین پردہ چاہتے ہیں اور لڑکیوں کی عمر پردہ کرنے کی ہے وہاں پردہ کا مناسب انتظام کیا جائے۔

سفارش	کارروائی
۱۲- (۱) جبکہ جدید اسلامیہ مدارس نسواں جاری کئے جائیں تو ان کے لئے ایسی جگہ منتخب کی جائے جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو۔	۱۲- (۱) ڈائرکٹر صاحب کو مطلع کر دیا گیا کہ جب مسلمان لڑکیوں کے لئے جدید اسکول کھولے جائیں ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمین ایجوکیشن کمیٹی دیکھیں کہ اسکول ایسے مقامات پر قائم کئے جاتے ہیں کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔
۱۲- (۲) مسلم لڑکیوں کے اسکولوں میں مخصوص نصاب جاری کیا جائے جو لڑکیوں کی ضروریات زندگی میں مدد دے سکے۔	۱۲ (۲) اس ریزولیشن کا جزو دوم زیر غور ہے۔
۱۳- عربی اور فارسی مدارس کی امداد کے لیے زائد رقم منظور کی جائے۔	۱۳- گورنمنٹ نے مدارس عربی و فارسی کی مالی امداد کے اعداد پر غور کیا۔ گورنمنٹ کی یہ رائے ہے کہ ان مدارس کو پہلے ہی سے کافی امداد مل رہی ہے۔

۱۴- مسلمان امیدوار جو ٹریننگ کے لئے بھیجے جائیں وہ کل تعداد کے ۳۰ فیصدی ہوں۔

۱۵- جو کمیٹی امیدواروں کو گورنمنٹ نارمل اسکولوں اور سنٹرل ٹریننگ اسکولوں کے لئے منتخب کرتی ہے وہی کمیٹی ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈوں کے ٹریننگ اسکولوں کے لئے امیدواروں کا انتخاب کرے۔

۱۴- رزولیوشن ۲ کے جواب میں جس اصول کا حوالہ دیا گیا ہے وہی اصول ٹریننگ کالجوں کے داخلہ کے مسئلہ سے متعلق ہوگا اور رزولیوشن ۳ کے جواب میں جس قاعدہ کا حوالہ ہے وہ گورنمنٹ نارمل سنٹرل ٹریننگ اسکول نیز لوکل باڈیز کے ٹریننگ اسکولوں سے متعلق ہوگا۔

۱۵- ڈسٹرکٹ بورڈ کے قواعد تعلیم میں ایک جدید قاعدہ ۲۴ (ب) کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس قاعدہ کے ماتحت نارمل اسکولوں سنٹرل ٹریننگ اسکولوں اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ٹریننگ اسکولوں کے لئے جو انتخابات یا داخلے ہوتے ہیں وہ گورنمنٹ کے ان احکام کے مطابق ہوتے ہیں جو مختلف فرقوں کی نیابت کے بارے میں ہیں اور جن کا حوالہ رزولیوشن ۳ کے جواب میں دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ڈسٹرکٹ بورڈ قواعد تعلیم قاعدہ ۲۲ (ا) (ل) د (و) ٹریننگ اسکولوں کے موجودہ انتخاب میں سردست کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے۔

۱۶۔ کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ نارمل ٹریننگ کلاسز میں میونسپل بورڈس کی طرف سے مسلمان مدرسین کی مناسب تعداد بھیجنے کا انتظام کیا جائے۔

۱۷۔ گورنمنٹ نے منظر اسپیشل بورڈ کو جو احکام مسلمان مدرسوں کے تقرر کے متعلق اور ان مدارس کو امداد دیے جانے کے متعلق جو امداد کے مستحق ہیں بھیجے ہیں وہ ان تمام میونسپل بورڈس میں گشت کرائے جائیں جنھوں نے ابتدائی لازمی تعلیم کی اسکیم کو جاری کیا ہے۔

۱۸۔ ۱۹۱۹ء کے یو۔ پی پرائمری ایجوکیشن ایکٹ کی دفعہ ۱۸ میں ایک قاعدہ کا اضافہ کیا جاوے جس کی رو سے ان تمام میونسپلٹیوں میں جنھوں نے ابتدائی لازمی تعلیم کی اسکیم کو جاری کیا ہے اردو کی تعلیم کا انتظام ہو اور کافی تعداد میں مسلمان مدرسین مقرر کیے

۱۶۔ ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم سے کہا گیا ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں سے ایسے استادوں کی ٹریننگ کے متعلق جن کی ٹریننگ نہیں ہوئی ہے ایک اسکیم بنا کر پیش کریں جواب کا انتظار ہے۔

۱۷۔ گورنمنٹ کے زیر غور ہے۔

۱۸۔ یو۔ پی پرائمری ایجوکیشن ایکٹ ۱۹۱۹ء کی دفعہ ۱۸ کے ماتحت جو قواعد بنائے گئے ہیں ان کے ۲۴ کے فقرہ ۳ کے آخر میں حسب ذیل قاعدہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو کمپلسری ایجوکیشن مینول کا صفحہ ۴۱ پیراگراف ۴ (ج))

"ان استادوں کا تقرر کیا جائے

جاویں۔ اسی طرح سے جیسا کہ گورنمنٹ کے ان احکام کا منشا ہے جو ڈسٹرکٹ بورڈوں کے لیے جاری کیے گئے ہیں۔	جو اردو یا ہندی دونوں کی تعلیم دیں لیکن اور ہر وقت خود مختلف فرقوں کی مقامی تعلیمی ضروریات کا پورا لحاظ کیا جائے۔
۱۹۔ ان رقبہ جات میں جو ابتدائی لازمی تعلیم کے اجرا کی غرض سے منتخب کیے گئے ہیں اسلامیہ مدارس و مکاتب کھولنے کی اجازت شامل کی جائے۔	۱۹۔ گورنمنٹ کے زیر غور ہے۔
۲۰۔ مسلمانوں کے وہ خالص اسلامی مدارس جو امدادی نہیں ہیں اور جن میں دیسی زبان کی نوشت و خواند اور حساب کے ابتدائی قاعدے سکھائے جاتے ہیں اور جن کی تعلیم ابتدائی مدارس کے معیار تک پہنچتی ہے ان کو لازمی ابتدائی تعلیم کے قانون کے تحت میں منظور شدہ سمجھا جائے۔	۲۰۔ ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم کے نام ہدایات جاری کر دی گئی ہیں کہ کمپلسری ایجوکیشن کی اسکیم کے ماتحت ایسے دیسی نمونے کے مسلم اسکول جن میں لکھنے پڑھنے اور حساب سکھانے کا معیار مثل پرائمری اسکولوں کے ہم پلہ ہو ریکگنائز کیے جاویں۔
۲۱۔ گورنمنٹ کے تمام وہ احکام اور محکمہ کی وہ تمام ہدایات جن کا حوالہ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن	۲۱۔ ہدایات ۳ کا رزولیوشن ۱۸ کے مقابلہ میں تذکرہ آچکا ہے دوسری ہدایات زیر غور ہیں۔

باب دوم

کے نوٹ ۱۹۱۴ء کے نوٹ اڈکس ضمیمہ کی ۱۹۱۴ء
الف میں ہے سب کے سب قواعد
میں شامل کئے جاویں جو حسب
ذیل ہیں :-
(۱) اگر کوئی میونسپل بورڈ جبکہ
وہ جبریہ ابتدائی تعلیم کی اسکیم
جاری کر رہا ہو خواہش کرے
کہ اسلامیہ اسکول یا مکتب کی امداد
جو بورڈ دیتا ہو بند کر لی جائے
تو اس کو چاہئے کہ بورڈ وجوہ
و دلائل ایسا کرنے کے قلمبند
کرے اور اس کی بہ نجاویز
گورنمنٹ کی منظوری کی محتاج
رہیں گی۔
(۲) ڈسٹرکٹ بورڈ کو اردو
کی تعلیم کا کافی انتظام کرنا چاہئے
ہر رقبہ یا بستی میں جہاں ابتدائی
تعلیم جاری کی جاوے مختلف
فرقوں کے مدرسین کا تقرر کیا جاوے۔
(۳) حلقہ انسپکٹران مدارس کے
نام ہدایات جاری ہو چکی ہیں

کہ وہ دیکھیں کہ جن رقبوں میں
جبریہ تعلیم کا نفاذ تجویز کیا گیا ہے
وہاں مسلمانوں کا تناسب کافی ہو۔
(۴) گورنمنٹ نے حال ہی میں
منھر امیونسپلٹی بورڈ کو احکام جاری
کئے ہیں کہ :-
(الف) مستحق مکاتب جہاں اصل
ضرورت ہو ان کو مدد دینا۔
(ب) مسلمان مدرسین کا تقرر
اس نسبت سے کیا جائے جو نسبت
مسلمان طلبار کی بورڈ کے اسکولوں
میں کل طلبار کی تعداد کے ساتھ ہو۔

جواب فقرہ ۱۴ بضمن ۲ و ۳ کے لحاظ
میں درج ہے ۔

(۱۵) محکمہ نے یہ منظور کر لیا ہے
کہ ان غریب بچوں کو جو ایسے مکاتب
میں پڑھتے ہیں جو جبریہ تعلیم کے رقبہ
میں واقع ہوں کتابیں اور تعلیم
کی ضروری چیزیں مفت مہیا کی
جائیں۔

۲۲۔ لڑکیوں کی لازمی ابتدائی
تعلیم کے لیے جو اسکیم کبھی منظور
ہو اس میں اسلامیہ مدارس

۲۲ ۔ گورنمنٹ کے زیرغور ہے ۔

د مکاتب کے لیے یہ شرط رکھی جائے کہ ان کی تعلیم میں لڑکیوں کے لیے تمدنی تربیت جس کو مسلمان ضروری سمجھتے ہیں دیجائے گی۔

۴۳۔ ڈسٹرکٹ محمدن ایجوکیشن کمیٹی کے اختیارات میں توسیع دی جائے کہ وہ ورناکیولر تعلیم کی تمام شاخوں میں مشورہ دے سکے۔

۴۴۔ گورنمنٹ کے وہ تمام احکام جہاں جہاں ان کا تعلق ہے ڈسٹرکٹ محمدن ایجوکیشن کمیٹیوں کی کارروائی کے ساتھ ہے وہ سب ڈسٹرکٹ بورڈ کے قواعد تعلیم میں شامل کر دیئے جائیں (ملاحظہ ہو مادہ ۱۵ نوٹ ڈائرکٹر صاحب تعلیم اپنڈکس (۱۱۳)) لیکن پیراگراف ۳ سطر ۳ میں سے الفاظ "جہاں تک کہ اس کا تعلق اسلامیہ مدارس و مکاتب سے ہے" اور آخری سطر میں سے الفاظ "واسطے مکاتب کے" محذوف ہو

۴۳۔ گورنمنٹ اس امر سے اتفاق کرتی ہے کہ ورناکیولر تعلیم کے جملہ شعبہ جات میں ضلع کی محمدن ایجوکیشن کمیٹی بورڈ کی ایجوکیشن کمیٹی کی امداد کرے اور مشورہ دے اس کے مطابق ترمیم قواعد کی کارروائی کی جائے گی۔

۴۴۔ گورنمنٹ کی تجویز ہے کہ جملہ احکام جو ضلع کی محمدن ایجوکیشن کمیٹی سے متعلق ہیں ضروری ردوبدل و تخفیف کے ساتھ ڈسٹرکٹ بورڈ کے قواعد تعلیم میں شامل کیے جاویں۔

کردیے جائیں۔	
۲۵- ضلع کی محمڈن ایجوکیشن کمیٹی کا کام ڈسٹرکٹ بورڈ کے تعلیمی دفتر کے کسی کلرک کو سپرد کیا جائے۔	۲۵- ڈسٹرکٹ بورڈ کے قواعد تعلیم کی دفعہ ۱۰(۱۱) میں ضروری ترمیم پہلے ہی ہو چکی ہے۔ اس کے مطابق ضلع کی محمڈن ایجوکیشن کمیٹی کے کام کے لئے ڈسٹرکٹ بورڈ ایجوکیشن آفس کا ایک کلرک مخصوص کر دیا گیا ہے۔
۲۶- صوبہ کی مسلم ایجوکیشن کمیٹی سے مشورہ کیا جائے کہ آیا ڈسٹرکٹ محمڈن ایجوکیشن کمیٹی کے چیرمین کا غیر سرکاری ہونا مناسب ہوگا؟	۲۶- گورنمنٹ نے صوبہ کی مسلم ایجوکیشن کمیٹی سے مشورہ کر کے یہ طے کر دیا ہے کہ ضلع کی محمڈن ایجوکیشن کمیٹی کا چیرمین غیر سرکاری ہوا کرے گا۔ تجویز ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ ایجوکیشن رولز میں اسی کے مطابق ترمیم کی جاوے۔
۲۷- نئے مکاتب جاری کرنے اور موجودہ مکاتب کی حالت درست کرنے کے لیے گورنمنٹ مزید فنڈ مہیا کرے۔	۲۷- موجودہ مالی مشکلات کی وجہ سے سردست مکاتب کی امداد کے لئے زرِ تو نہیں ہے مالی حالت بہتر ہونے پر اس معاملہ پر آئندہ پھر غور کیا جاوے گا۔
۲۸- اسلامیہ مدارس و مکاتب کے فنڈوں میں جو بچت ہو اس کو موجودہ مکاتب اور مدارس کی بہبود ہونے والی زمان رہائش (	۲۸- ایجوکیشن کوڈ کی دفعہ ۳۹۲ (ب) میں گورنمنٹ نے الفاظ ذیل کا اضافہ کر دیا ہے "اس ایجوکیشن فنڈ کو بورڈ صرف نئی عمارتوں اور نئے اسکولوں

سفارش	فیصلہ
ضروریات کے پورا کرنے میں صرف کیا جائے۔	کے سامان و فرنیچر پر اور اسی طرح کے پھر عود نہ کرنے والے زمانہ ریکرنگ اخراجات پر صرف کرسکتا ہے۔ (تشریح) اس سامان اور فرنیچر کا خرچ جو کہ اسکولوں میں پہلی دفعہ مہیا کیا گیا ہو یا اتفاقیہ طور پر جز وی مستقل سامان اور فرنیچر جو ضائع ہوگیا اس کو دوبارہ مہیا کرنے کا خرچہ۔
۲۹۔ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ مکاتب میں تعلیم بلا معاوضہ کا اصول جو اب تک ہے اس کو جاری رکھا جائے۔	۲۹۔ مکتب کے منیجروں کو پہلے ہی سے اختیارات حاصل ہیں کہ وہ فیس لیں یا نہ لیں۔
۳۰۔ مدرسین مکاتب کی ٹریننگ کے لیے کلاس جاری کرنے کا سوال فی الحال ملتوی رکھا جائے جب تک کہ مکاتب کے مدرسین کی تنخواہ بڑھانے کے لیے کافی روپیہ نہ ہو جائے۔	۳۰۔ گورنمنٹ کو کانفرنس کی سفارش سے اتفاق ہے۔
۳۱۔ کانفرنس انسپکٹر اسلامیہ مدارس کی ان سفارشات کے ساتھ جو انھوں نے ڈپٹی انسپکٹران اسلامیہ مدارس کے فرائض	۳۱۔ ڈائرکٹر صاحب کے بذریعہ چٹھی نمبری A/5253/XXXVII-11(57)1934-45 مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۴۶ء سکریٹری

کے متعلق اپنا کیس نمبر ۳ بیان کی ہے
اتفاق کرتی ہے۔

مسلم نمائندہ representative
ایجوکیشنل کانفرنس کو پہلے ہی مطلع کر دیا ہے
کہ گورنمنٹ کی رائے میں ڈپٹی انسپکٹران
مدارس اسلامیہ کا پوزیشن سرکل انسپکٹر کے
مددگار و مشیر کا ہے اور وہ ایک معائنہ
کرنے والے اور رپورٹ کرنے والے
افسر ہیں۔ جیسا کہ ایجوکیشن کوڈ کی دفعات
۵۰۵ میں دیا ہوا ہے۔ ان کا پوزیشن
ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس قسم کے خود مختارانہ
اختیارات سپرد کیے جائیں جن سے تصادم
اور جھگڑے پیدا ہونے کا امکان ہو۔
مزید براں یہ بھی پسندیدہ نہ ہوگا کہ ان
کو ضلع کے اندر ایسے اختیارات دیئے جائیں
جن کی بنا پر ضلع کے افسران معائنہ یا
ایجوکیشن کمیٹی یا اس کے چیرمین سے تصادم
ہونے کا امکان ہو لازمی طور سے سرکل
انسپکٹر ڈپٹی انسپکٹر مدارس اسلامیہ کا کنٹرولنگ
افسر ہوگا اور وہی عام طور سے ان
اختیارات کے استعمال کرنے کا مجاز ہوگا
جن کے ماتحت ڈسٹرکٹ بورڈوں کے
مشاورتی مراسلت ہوتی ہے یا جس کے

سلسلہ میں ضلع کے افسران تعلیم سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔

۳۲۔ ضلع کی اسلامیہ تعلیمی کمیٹی کا چیئرمین انسپکٹر آف محمڈن اسکولس کے ساتھ براہ راست خط وکتابت کیا کرے اور اسی طرح انسپکٹر آف محمڈن اسکولس چیئرمین سے۔

۳۲۔ گورنمنٹ کے نزدیک ڈسٹرکٹ افسران صاحب سررشتہ تعلیمات یا ان کے مسلمانوں کے معاملات کے مشیر انسپکٹر مدارس اسلامیہ تک رسائی کا ذریعہ سرکل انسپکٹر ہی ہو سکتے ہیں جیسا کہ انتظامی دستور العمل ہے بنا بریں چیئرمین محمڈن ایجوکیشن کمیٹی کو انسپکٹر مدارس اسلامیہ سے براہ راست مراسلت کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

۳۳۔ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ محکمہ کو کوئی ایسی کارروائی کرنی چاہئے جس سے یہ یقین ہو جائے کہ ڈپٹی انسپکٹران اسلامیہ مدارس کی رپورٹ جو وہ مسلمانوں کے اہم تعلیمی مفاد کے متعلق دیں انسپکٹر اسلامیہ مدارس کے پاس پہونچ جایا کرے۔

۳۳۔ ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم کے یہاں سے ایک گشتی چٹھی سرکل انسپکٹران کے نام جاری ہوئی ہے کہ وہ ڈپٹی انسپکٹر مدارس اسلامیہ یو۔پی کی رپورٹ جس کا حوالہ ایجوکیشنل کوڈ کے پیراگراف ۵۰ (۳) میں دیا گیا ہے بلا تاخیر انسپکٹر مدارس اسلامیہ یو۔پی اور چیئرمین ایجوکیشن کمیٹی کے پاس ارسال کیا کریں۔

۳۴۔ انسپکٹر اسلامیہ مدارس کو اختیار

۳۴۔ جیسا کہ رزولیوشن نمبر ۴۱

دیا جائے کہ وہ ڈپٹی انسپکٹران اسلامیہ مدارس سے براہ راست ان تمام اہم معاملات کے متعلق مراسلت کریں جو مسلمانوں کے تعلیمی مفاد سے متعلق ہوں۔	کے تحت میں مذکور ہو چکا ڈپٹی انسپکٹر مدارس کی حیثیت سرکل انسپکٹر کے مددگار یا مشیر کی ہے اور وہ معائنہ کرنے والے اور رپورٹ کرنے والے افسر ہیں انسپکٹر مدارس اسلامیہ کو اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ ڈپٹی انسپکٹران مدارس اسلامیہ سے براہ راست بعض امور کی اطلاعات حاصل کر سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہر صورت میں مراسلت کا اختیار ان اطلاعات پر محدود ہوگا جو واقعات اور اعداد پر مشتمل ہوں اور رائے یا پالیسی اور ہدایات اس میں شامل نہ ہوں گے (ملاحظہ ہو فقرہ (ع) جو پرچہ تصحیح نمبر ۹۴ کے ذریعہ ایجوکیشنل کوڈ کی دفعہ ۷۰ میں اضافہ کیا گیا ہے۔
۳۵۔ جب گورنمنٹ کی مالی حالت درست ہو جائے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اسلامیہ مدارس اور مکاتب کی امداد مقررہ میں اضافہ کر دے۔	۳۵۔ مدارس مکاتب اسلامیہ کے مصارف کی رقوم کے اضافہ کے بارے میں جو سفارشات ہیں ان پر اور دیگر مالی مطالبات پر مالی حالت بہتر ہونے کی صورت میں غور کیا جائے گا۔
۳۶۔ رقم کے مہیا ہوتے ہی اسلامیہ	۳۶۔ گورنمنٹ کے نزدیک مکاتب

باب دوم

مکاتب کے لئے اچھی قابلیت کے
سپروائزران اضلاع میں رکھے
جائیں جہاں ایسے مکاتب کی تعداد
کثیر ہو یہ تقرر حلقہ انسپکٹر بہ مشورہ
انسپکٹر صاحب اسلامیہ مدارس کئے جائینگے
اور یہ قاعدہ میں شامل کر دیا جائے
کہ حلقہ کے ڈپٹی انسپکٹر اسلامیہ مدارس
اپنے دورہ کے اثناء میں ان سپر
وائزروں کے کام کا معائنہ
کریں اور انسپکٹر اسلامیہ مدارس
کو رپورٹ کریں کہ سپروائزر اپنے
فرائض کو کس حد تک قابل اطمینان
طریقہ پر انجام دے رہے ہیں۔

۳۷۔ صوبہ متحدہ کی مسلم تعلیمی کمیٹی کے
دائرہ عمل کو اس حد تک وسیع
کیا جائے کہ وہ ورنیکیولر ایجوکیشن
کے تمام شعبوں پر حاوی ہو
اور یہ کہ اس کمیٹی کے اجلاس
سال میں بجائے ایک کے دو
مرتبہ منعقد کئے جاویں۔

۳۸۔ ورناکیولر کی ایجوکیشن کمیٹی کے

نظامی بابونی

کی نگرانی اور معائنہ کے لیے ڈپٹی
انسپکٹران مدارس اسلامیہ اور ضلع کے
مسلم سب ڈپٹی انسپکٹران مدارس مناسب
اشخاص ہیں۔ مکاتب کے لئے سپروائزر
کے تقرر کی کوئی ضرورت نہیں معلوم
ہوتی۔

۳۷۔ رزلیوشن کا پہلا جز گورنمنٹ
نے منظور کر لیا۔ رہا دوسرا جز اس
کے متعلق ۱۹۲۷ء میں ہدایات جاری
ہوئی تھیں کہ اگر کام کی مقدار کافی
ہو تو دوسرا جلسہ طلب کیا جا سکتا
ہے۔

باب دوم

متعلق مسلم قوم کے تعلیمی مفادات کے جتنے معاملات ہوں ان سب میں ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کو صوبہ بمبئی کی مسلم ایجوکیشن کمیٹی سے مشورہ کرنا چاہئے۔

۳۹۔ اسلامیہ ہائی اسکولوں کو اختیار دیا جائے کہ اگر ان کی مجلس انتظامیہ چاہے تو اپنے اسکولوں میں بجائے اتوار کے جمعہ کی تعطیل دیا کرے۔

۴۰۔ یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ اسلامیہ مدارس میں مسلم طلبا کی مذہبی تعلیم مدرسے کے دوران اوقات میں کسی گھنٹے میں بھی دی جا سکے اور یہ کہ اسکول کے ماسٹروں میں سے جس سے مناسب سمجھا جائے یہ کام لیا جائے۔

نظامی کاروائی

۳۸۔ ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ صوبہ کی مسلم ایجوکیشن کمیٹی سے تعلق رکھنے والے اصولی معاملات میں جو خاص کر مسلمانوں کی تعلیم سے متعلق ہوں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔

۳۹۔ اگر کوئی مسلم درسگاہ جمعہ کی چھٹی کی خواہشمند ہے تو اس کی درخواست پر واقعات کی روشنی میں غور کیا جاوے گا۔

۴۰۔ گورنمنٹ کے نزدیک یہ سفارش منظور کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمان درسگاہوں کو اجازت دیجاوے کہ دوران اوقات مدرسہ میں جس وقت چاہیں مذہبی تعلیم دیں رہا رزولیوشن کا دوسرا جزو ڈسٹرکٹ بورڈ کے قواعد تعلیم کی دفعہ ۹۶ اس طرح پر ترمیم کر دیجاویگی کہ جس کی رو سے اسلامیہ مدارس میں مسلمان استادوں کو جو اسکول کے اسٹاف میں ہیں مذہبی تعلیم دینے کی اجازت ہو جاویگی دوسرے اسلامیہ مدارس میں ممبران اسٹاف کو مذہبی

تعلیم دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں کی۔

ان چالیس مطالبات کی منظوری کے لئے مولانا نظامی نے قدمے سخنے انتہائی کوشش اور دوڑ دھوپ کی۔ سعی و سفارش کے امکانی ذرائع ارکان حکومت تک پہونچائے۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۴۳ء کو گورنر صاحب بہادر کی خدمت میں مسلم لیگ کانفرنس کا مشترکہ وفد لے گئے۔

کون سی کی نہ دوا کون سی مانگی نہ دعا

ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے سنبھلنے کے لئے

سنہ ۱۹۴۴ء تک ۱۶ مطالبات منجملہ چالیس مطالبات کے ایسے رہ گئے تھے جو گورنمنٹ کے زیر غور تھے۔

ان واقعات سے جو نہایت اختصار سے سپرد قلم کئے گئے ہیں یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ نظامی صاحب نے تعلیم کی ترقی و اشاعت اور مسلمانوں کی تعلیمی مشکلات دور کرنے میں ہمارے صوبہ کے مسلمانوں کی کتنی بڑی خدمت انجام دی ہمارا فرض ہے کہ ہم مرحوم کی ان مخلصانہ خدمات کا اعتراف کریں جو انھوں نے سالہا سال آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور علی گڑھ کی تعلیمی تحریک کے سلسلہ میں انجام دی ہیں۔

موجودہ زمانہ کے نوجوانوں کے لئے نظامی صاحب کی زندگی کا یہ پہلو سبق آموز ہے کہ وہ باوجود کبرسنی اور خرابی صحت آخر عمر تک قومی کاموں کو انجام دیتے رہے وہ چھہتر سال کی عمر میں بھی ہمت جوان رکھتے تھے۔ وفات سے چند ہفتہ پیشتر اون کی سعی اور کوشش سے صوبہ کی تعلیمی کانفرنس کا اجلاس آنولہ میں منعقد ہوا اور انھوں نے باوجود ناسازی طبیعت کے اوس میں شرکت کی اس کانفرنس کا کام انھوں نے اپنی نگرانی میں سید الطاف علی صاحب ہیڈ اسسٹنٹ کانفرنس اور سید مسعود الحسن صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج بریلی سے لیا یہ دونوں صاحبان

نظامی صاحب اور مولانا طفیل احمد مرحوم کے شاگرد خاص ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی آنولہ کے اجلاس میں سید الطاف علی صاحب کو پراونشل کانفرنس کا اسسٹنٹ سکریٹری مقرر کرادیا۔

اس صوبہ میں قومی تعلیم کی خدمت صرف دو اخباروں نے کی ہے ایک البشیر اٹاوہ نے دوسرے ذوالقرنین بدایوں نے۔ ان ہی دونوں اخباروں کے جاری کرنے والوں نے صوبہ کی تعلیمی مجلس کی بنیاد ڈالی۔ صوبہ کا کوئی بڑا شہر ایسا نہیں جہاں اس کانفرنس کے جلسے منعقد نہ ہوئے ہوں۔ صوبہ کی حکومت کو مسلمانان صوبہ کی تعلیمی ضرورتوں کی طرف توجہ دلانا اس کانفرنس کا خاص مقصد ہے مولانا نے اور مولانا کے نہا موش رفیق کار مولانا سید طفیل احمد صاحب نے جو کارنامے اس میدان میں کئے ہیں وہ قومی ترقی کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے گزشتہ دو چار اجلاسوں کو چھوڑ کر میں نے ہر جگہ کے صوبہ کی تعلیمی کانفرنس کے اجلاسوں میں شرکت کی۔ ہر وقت مولانا کی خدمت میں رہنا اپنا شعار رکھا۔ میں نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا نے کانفرنس کے سکریٹری کے عہدوں کو بے حد شوق اور پورے جذبہ کے ساتھ انجام دیا کیونکہ تعلیمی معاملات سے ان کو قدرتی لگاؤ تھا۔ اگر آپ نے کبھی ان کی رپورٹیں پڑھی ہیں یا سنی ہیں تو آپ کو خود معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے تعلیمی حقوق دلانے کے لئے انھوں نے کس قدر انتھک کوششیں کی ہیں۔ الہ آباد، بریلی، بیالا، بستی علی گڈھ اور خاص بدایوں میں اور دوسری جگہ جس کامیابی سے پراونشل تعلیمی کانفرنس کے جلسے ہوئے ہیں ان کا حال پرانی رپورٹوں کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس سلسلہ میں جبکہ اکثر حضرات کے قدم ڈگمگا گئے کبھی خطاب یابی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا یا وجود ناسازی طبع کے ہم نے ہمیشہ ان کو راتوں رات جاگتے ہوئے قلم چلاتے ہوئے خطوں کے مسودے تیار کرتے ہوئے تجویزوں میں سلسلہ خیالات درست کرتے ہوئے بھی دیکھا مولانا طفیل احمد

کے ساتھ ان کو قلبی لگاؤ تھا۔ جو صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم کے حلقہ کا ایک نورتن تھے۔

۵۔ اسلامیہ مکاتب کمیٹی و پراونشل ٹکسٹ بک کمیٹی | پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مطالبہ پر گورنمنٹ صوبہ یو۔ پی نے مسلمانوں کے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے مسلم مکاتب کا سلسلہ شروع کیا جو محکمہ تعلیم کا ایک نہایت کارآمد و مفید محکمہ بن گیا۔ لیکن جب تک ایسے جداگانہ محکموں کی دیکھ بھال پورے طور پر نہ ہو۔ اندیشہ یہی رہتا ہے کہ وہ بے عمل اور بیکار نہ ہو جائیں۔ مولانا نظامی برابر مکتب کمیٹی کے ممبر رہے اور ہمیشہ اس کے بارے میں جد و جہد کرتے رہے اسلامیہ مکاتب شہروں اور چھوٹے چھوٹے قصبات میں کھول دیئے گئے جو اب بھی قایم ہیں ان مکاتب کا نصاب بھی علحٰدہ ہے انسپکٹر بھی جداگانہ ہیں نظامی صاحب بدایوں کی اسلامیہ مکتب کمیٹی کے عرصہ تک آنریری سکریٹری رہے اور اس کام کو اچھی طرح چلایا۔ ہر ضلع میں جو اسلامیہ مکاتب کمیٹیاں قائم ہیں انہیں کی رہین منت ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں جب کانگریس گورنمنٹ برسر اقتدار تھی اور اس نے

Education Reconstruction Committee

کا تقرر کیا تو آپ نے بحیثیت ممبر اس کمیٹی میں بیش بہا خدمات انجام دیں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ہر ممکن سعی کی جس کی شہادت کمیٹی کی رپورٹ سے مل سکتی ہے۔ علاوہ ازیں نظامی صاحب مرحوم پراونشل اسلامیہ مکاتب ٹکسٹ بک کمیٹی کے بھی ممبر تھے جس کے فرائض بھی تندہی سے ادا کئے۔ بریلی اور اٹاوہ کے اسلامیہ کالجوں کے بھی ٹرسٹی رہے اور ان کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

آپ کانفرنس کی طرف سے ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ کے ممبر ایک عرصہ دراز تک رہے۔ البتہ جب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کی پالیسی سے وہ اور ان کی پارٹی کے اصحاب متفق نہ ہو سکے تو اس سے انھوں نے استعفیٰ دے دیا

مولانا نظامی کے انتقال کی خبر پہونچنے پر ۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا چھ بجے شام سلطان جہان منزل علی گڑھ میں جلسہ منعقد ہوا حسب ذیل حضرات خصوصیت سے شریک ہوئے!۔

(۱) نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمن خاں شیروانی ۔
(۲) مولوی محمد عبد الرفیق خاں صاحب شیروانی ایم ۔ اے ایل ۔ ایل بی ٹیگ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی ۔
(۳) مولوی عبد المغیث خاں صاحب شیروانی وائس پریسیڈنٹ کانفرنس وچیرمین میونسپل بورڈ علی گڑھ۔
(۴) پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی چیرمین شعبہ اُردو مسلم یونیورسٹی ۔
(۵) پروفیسر شیخ عطا اللہ صاحب ایم ۔ اے ״
(۶) حکیم عبد اللطیف صاحب وائس پرنسپل طبیہ کالج ״
(۷) پروفیسر عبد المجید صاحب قریشی چیرمین شعبہ ریاضی ״
(۸) مسٹر احمد وہاب خیری ۔
(۹) سید الطاف علی بریلوی ۔

اس کمیٹی نے مولوی نظام الدین حسین نظامی کی وفات پر حسب ذیل رزولیوشن پاس کیا:۔

یہ جلسہ مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں

آنریری سکریٹری پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس یو۔پی وممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی وفات حسرت آیات پر جو ۸ر جون ۱۹۴۷ء کو ہوئی اظہار تعزیت کرتا ہے۔ اور ان کی خدمات قومی وعلمی کا اعتراف کرتا ہے۔"

یہ رزولیوشن جلسے نے کھڑے ہو کر بالاتفاق منظور کیا اور نظامی صاحب مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔

ب۔ حافظ صدیق مشفق اسلامیہ انٹرمیڈیٹ کالج شیخوپورہ بدایوں

مولانا نظامی مرحوم کی پبلک زندگی کا آغاز ۱۹۰۳ء سے ہوا جبکہ انھوں نے بدایوں سے اپنا اخبار "ذوالقرنین" جاری کیا جس کا سب سے پہلا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے ابنائے وطن کو خواب غفلت سے بیدار کرے اس سلسلہ میں جو مضامین مولانا مرحوم نے اخبار میں شائع کئے اون کا یہ نتیجہ ہوا کہ صرف چھ مہینے ہی گذرنے پائے تھے کہ چند بزرگان بدایوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ بدایوں کے مسلمان خاندانوں کی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے گورنمنٹ کی اعلیٰ ملازمتوں میں جو حصہ ان کو پہلے حاصل تھا اب اس کا عشر عشیر بھی باقی نہیں۔ ان کی آبائی زمینداریاں دوسری قوموں کے پاس پہونچتی جاتی ہیں اور وہ نان شبینہ کو محتاج ہوئے جاتے ہیں۔ انھوں نے اس مرض کے ازالہ کی تجویز بدایوں میں اسلامیہ ہائی اسکول کے قیام کو ظاہر کیا۔ اس تجویز کی مخالفت اور موافقت میں بہت سے مضامین لکھے گئے اور کم وبیش یہ سلسلہ ایک سال جاری رہا۔ یہ اسلامیہ ہائی اسکول کی تجویز کا عملی پہلو ان سے آگے نہ بڑھ سکی مگر وہ قلمی جارو جہاد جو اس اہم مسئلہ کی نسبت کی گئی تھی رائیگاں نہ گئی اس بحث سے یہ فائدہ ہوا کہ اس مسئلہ کی اہمیت اور ایک اسلامیہ ہائی اسکول کی ضرورت اچھی طرح سے مسلمانان بدایوں کے ذہن نشین ہوگئی۔ مولانا مرحوم کی یہ آرزو تھی کہ بدایوں جیسے اسلامی اور تاریخی شہر میں ایک اسلامیہ درسگاہ قائم کی جائے جس میں انگریزی تعلیم

کے ساتھ ساتھ دینیات کی تعلیم کا انتظام بھی ہو اور نہ صرف تعلیم کا انتظام ہو بلکہ پڑھانے کے ساتھ اسلامی نقطۂ خیال کو نگاہ رکھ کر اچھی سے اچھی تربیت بھی دی جائے لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ اسلامیہ ہائی اسکول کے قیام کی تجویز کو عملی صورت میں لانے اور اس کے لیے مستقل سرمایہ مہیا کرنے کی تدابیر پر غور کرنے کا خیال صرف اسوقت پیدا ہوا جبکہ شروع ۱۹۱۳ء میں سر جیمس مسٹن صاحب بہادر گورنر صوبہ سب سے پہلے اس ضلع میں رونق افروز ہونے والے تھے لیکن ۱۹۱۳ء میں کوئی عملی کارروائی نہ ہوسکی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں جنگ بلقان اور واقعات کانپور نے قدرتی طور پر مسلمانوں کی توجہ کو تعلیمی مسئلہ سے ہٹا دیا تھا۔ مگر ۱۹۱۱ء میں جبکہ گورنمنٹ ہند کا وہ گشتی سرکلر جو اس نے اپنے مشہور تعلیمی ریزولیوشن کے سلسلہ میں خاص مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق جاری فرمایا تھا اور جس میں مسلمانوں کی تعلیم کے لیے خاص رقوم منظور کی گئی تھیں لوکل گورنمنٹ کے سامنے زیر غور تھا ذوالقرنین نے مسلمانان بدایوں کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے بیدار کیا اور یہاں کے رؤسا اور معززین کو بھی توجہ دلائی کہ وہ بھی اب اس تجویز کو عملی صورت میں لانے کے لیے ہمہ تن مستعد ہو جائیں تاکہ گورنمنٹ کو اپنی اظہار فیاضی کا موقعہ ملے اسی کے ساتھ صوبہ کے حکمران سر جیمس مسٹن صاحب سے عرض کیا۔

"بدایوں مسلمانوں کی پرانی بستی اور قدیم تاریخی شہر ہے اگر گورنمنٹ کے عطیہ کا تھوڑا [illegible] اس شہر تک نہیں پہونچے گا تو بہت سے شریف مسلمانوں کی اولاد جو یقیناً گورنمنٹ کی اس فیاضی سے نفع اٹھانے کی جائز حقدار ہے محروم رہ جائے گی خوش قسمتی سے ہمارے صوبہ کے موجودہ لفٹننٹ گورنر سر جیمس مسٹن صاحب بہادر بالقابہ بدایوں میں بہت عرصہ تک تشریف فرما رہ چکے ہیں اور اب تک اس قدر دلعزیز ہیں کہ ان کا نام نامی ایک ایک بچہ کی زبان پر جاری ہے۔ اور وہ اپنے ضلع کے

مسلمانوں کی تعلیمی ضرورتوں سے کماحقہٗ واقف ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بدایوں کے عام مسلمان برٹش گورنمنٹ کے کس قدر خیرخواہ اور جاں نثار ہیں اس لئے اگر خوش قسمتی سے حضور ممدوح کی توجہ مسلمانوں کی اس نئی سکیم اور غریب بستی کی طرف اس سلسلہ میں مبذول ہوگئی تو تمام اہل بدایوں کو ان کی محبت اور نیازمندی کا صلہ جو وہ ہز آنر کے ساتھ رکھتے ہیں مل جائے گا۔"

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہز آنر ممدوح ایک ضرورت سے ولایت کو جا رہے تھے لیکن ولایت جانے سے قبل ۱۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کے ذوالقرنین کو ہز آنر کے ملاحظہ سے گزرنے کا شرف حاصل ہوگیا اور حضور ممدوح نے اپنے ۱۶ ستمبر ۱۹۱۳ء کے گرامی نامہ کے ذریعہ سے نظامی صاحب کو ان الفاظ میں تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا

"اس درخواست پر نہایت غور کے ساتھ توجہ کی جائے گی۔"

اس کے بعد اکتوبر ۱۹۱۴ء تک کوئی عملی کارروائی نہ ہوئی۔ مگر اس کے بعد ہی اس مقصد کے حصول کے لئے ایک تعلیمی انجمن کی بنا ڈالی گئی لیکن ۱۹۱۵ء تک اس انجمن نے کوئی عملی کارروائی نہ کی آخر ۱۹۱۵ء میں انجمن اشاعت تعلیم مسلمانان بدایوں کے نام سے ایک انجمن کی باضابطہ رجسٹری کرائی گئی اس انجمن نے اپنے رجسٹرڈ ہونے سے پہلے ہی اپنا عملی کام شروع کر دیا تھا یعنی یکم اکتوبر ۱۹۱۵ء سے مدرسہ کے تین ابتدائی درجے ایک کرایہ کے مکان میں کھول دیئے تھے بانیان انجمن میں سے مولوی ظہور بخش صاحب رئیس (ڈونک والا) خان بہادر مولوی محمد رضی الدین صاحب اور مولوی وحید بخش صاحبان نے اپنے اپنے قطعات اراضی جو شہر کے کنارے پر جانب شمال واقع ہیں اور جس کا رقبہ تقریباً پانچ بیگہ پختہ ہے اسکول کی عمارت کے لئے وقف کر دئیے علاوہ ازیں خود بانیان نے ایک ایک ہزار روپیہ چندہ دینے کا وعدہ کیا۔ اور دوسرے مسلمانوں سے بھی

چندہ جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا لیکن مارچ ۱۹۱۶ء میں جبکہ گورنر صاحب بہادر نے دربار بریلی منعقدہ ۱۰ مارچ ۱۹۱۶ء کی تقریر میں اس مجوزہ مدرسہ کا تذکرہ فرما کر بانیان مدرسہ کی توجہ کو تمہ تن عملی کام کی طرف منعطف کر دیا اس تحریک میں ایک خاص قوت پیدا ہو گئی۔ مسلمانان بدایوں کی ان ادنیٰ کوششوں کا جو انھوں نے اپنے ابنائے جنس کی تعلیم کے متعلق شروع کی تھیں ایک حکمراں کی زبان سے دربار کے موقع پر ذکر کیا جانا ان کے لئے فخر و مباہات کا سبب ہوا جس کا اظہار اونھوں نے اس عام جلسہ میں جو ۱۲ مارچ ۱۹۱۶ء کو بصدارت مسٹر جی بی۔ ڈبلیو انگرام صاحب بہادر کلکٹر ضلع موقوفہ آراضی مدرسہ مجوزہ پر منعقد ہوا تھا کیا جس میں ہز آنر کے ولی شکریہ کا رزولیوشن پاس کیا گیا اور یہ تجویز قرار پائی کہ حضور لاٹ صاحب بہادر سے درخواست کی جائے کہ وہ اس مدرسہ کو اپنے نام سے منسوب کیا جانا منظور فرمائیں۔ اور اسکا پیٹرن (مربی) ہونا بھی قبول کریں۔ اسی جلسہ میں مولوی فضل احمد صاحب ایم۔ اے ڈپٹی کلکٹر ضلع بدایوں کی سعی و خدمات پر اظہار ممنونیت کیا گیا کہ اونھوں نے محض بہ نظر ہمدردی اپنے مفید مشوروں سے اسلامیہ ہائی اسکول کی ضرورت کے پورا کرنے پر مستعد کر دیا۔

اب مسلمانان بدایوں کی کوششوں نے روز بروز عملی صورت اختیار کرنا شروع کر دی۔ ایک طرف تو ہز آنر کی بریلی والی تقریر نے بانیان انجمن اشاعت تعلیم مسلمانان بدایوں کو مستعدی کے ساتھ کام کرنے کی طرف متوجہ کر دیا دوسری طرف اس ضلع کے عالی ہمت رؤسائے شیخو پور کو ان کے اس ارادہ کی تکمیل کے لیے جو وہ ایک تعلیمی وقف کے متعلق عرصہ سے رکھتے تھے آمادہ کر دیا چنانچہ مارچ ۱۹۱۶ء میں خان بہادر شیخ محمد عبد اللطیف صاحب شیخ محی الدین حیدر صاحب۔ خان بہادر شیخ ممتاز الدین صاحب۔ و شیخ امین الدین حیدر صاحب و شیخ جمال الدین حسن صاحب و شیخ

باب دوم

اشفاق حسین صاحب و منشی محمد حسین صاحب و شیخ محمد احمد صاحب و چند مستورات
کی طرف سے ترپن ہزار روپیہ کی قیمتی جائداد کا وقف نامہ جس کا خالص منافع تقریباً
دو صد روپیہ ماہوار بتلایا گیا تھا رجسٹری ہو گیا۔

جب اس وقف نامہ کو پبلک کی اطلاع میں لانے اور خاص شیخوپور میں
مشن فری ہائی اسکول قائم کئے جانے کی نسبت ایک مضمون خان بہادر شیخ
محمد عبد الغفار صاحب کی طرف سے ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء کے ذوالقرنین میں شائع
ہوا تب اس معاملہ میں مسلم پبلک کی طرف سے رائے زنی کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ آیا
خاص شہر بدایوں اور اس سے دو میل کے فاصلہ پر شیخوپور میں دو دو اسکول
کا قائم کیا جانا قرین مصلحت اور مفید ہے یا نہیں۔ پبلک کی توجہ دلانے پر بدایوں
اور شیخوپور ہر دو تحریکوں کے بانیوں نے بجائے خود اس معاملہ پر غور کرنا شروع
کر دیا بالآخر مسٹر جی سی ڈبلو انگرام صاحب بہادر صاحب کلکٹر ضلع کے مفید مشورہ
کی مدد سے ہر دو فریق چند ضروری شرائط کے ساتھ ۱۳ مئی سنہ ۱۹۱۶ء کو دونوں
تحریکوں کے الحاق پر راضی ہو گئے۔ اس الحاق کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس آراضی کی بجائے
جو شہر سے جانب شمال مدرسہ کے لئے وقف کی گئی تھی کچہری کی قریب والی آراضی
میں جس کو گورنمنٹ نے عمارت مدرسہ کے لئے عطا کیا ہے مدرسہ تعمیر ہونا قرار
پایا اور مدرسہ کا نام مشن اسلامیہ ہائی اسکول شیخوپور بدایوں رکھا گیا۔ یہ بھی قرار
پایا کہ واقفان شیخوپور دوامی رکن انجمن کے رہیں گے مجلس انتظامیہ کے نصف
ممبروں کی تعداد واقفان شیخوپور اور نصف کو بانیان انجمن منتخب کریں گے چنانچہ
ان شرائط کو ملحوظ رکھ کر قواعد انجمن میں ترمیم کی گئی۔ خان بہادر شیخ محمد عبد الغفار
صاحب و خان بہادر شیخ محی الدین حیدر صاحب رؤسا شیخوپور وزیر انجمن رکھے گئے
حسب ذیل صاحبان عہدہ دار منتخب ہوئے:-

(۱) مولوی ظہور حسن صاحب (ڈلو نگ والا) رئیس بدایوں پریسیڈینٹ
(۲) خان بہادر مولوی محمد فصیح الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر و رئیس بدایوں وائس پریسیڈینٹ۔
(۳) مسٹر بشارت محمد صاحب رئیس شیخوپور " "
(۴) مولوی محمد ابو الحسن صاحب صدیقی۔ آنریری سکریٹری۔
(۵) مولوی محمد ستار بخش صاحب قادری رئیس بدایوں آنریری جوائنٹ سکریٹری
(۶) شیخ امین الدین حید رئیس شیخوپور۔
(۷) مولوی نظام الدین حسین نظامی ایڈیٹر ذو القرنین بدایوں آنریری اسسٹنٹ سکریٹری
حسب ذیل اصحاب ممبران انتظامی منتخب ہوئے۔
(۱) خان بہادر مولوی رضی الدین صاحب رئیس بدایوں۔
(۲) مولوی محمد ستار بخش صاحب قادری "
(۳) مولوی فضل احمد صاحب قادری ایم۔اے الہ آبادی ڈپٹی کلکٹر بدایوں
(۴) مسٹر محمد طیب صاحب فاروقی شیخوپوری۔
(۵) مولوی محمد وحید بخش صاحب رئیس بدایوں۔
(۶) مولوی ابو الحسن صاحب قادری۔
(۷) شیخ جمال الدین حسن صاحب رئیس شیخوپور۔
(۸) منشی محمد حسین صاحب رئیس شیخوپور۔
(۹) منشی اشفاق حسین صاحب رئیس شیخوپور۔
(۱۰) شیخ محمد احمد صاحب "
(۱۱) منشی منظور حسین صاحب "
(۱۲) مولوی حضور الحسین صاحب وکیل بدایوں۔
انجمن فلاح المسلمین بدایوں نے اپنے سرمایہ سے پندرہ سو کی رقم ۱۵۰۰/-/-

انجمن اشاعت تعلیم مسلمانان بدایوں کو دی چھ ٹرسٹی اراکین انجمن فلاح المسلمین بدایوں کے ۳۲ ٹرسٹی ضلع سے اس طرح کل ۹۲ ٹرسٹی انجمن مذکور کے ہوئے۔

فراہمی سرمایہ کا کام تیزی کے ساتھ شروع ہوگیا۔ قیام ہائی اسکول کا وہ خیالی منصوبہ جو مدت سے دماغوں میں پک رہا تھا اب اس تحریک کے بانی و محرک اس کو عملی شکل میں دکھانے کے قابل ہوگئے۔ اس مبارک و مفید تحریک کے بانیوں کے ڈیوٹیشن نے نہایت سرگرمی کے ساتھ خان بہادر مولوی رضی الدین کی رہنمائی میں شہر کے محلہ میں گھر گھر پہونچ کر اور تمام ضلع کا دورہ کرکے چندہ کی کثیر رقم فراہم کی۔ اب جبکہ اسکول کے سنگ بنیاد نصب ہونے کی تاریخ مقرر ہوئی تو مولانا نظامی مرحوم نے مسٹن اسلامیہ ہائی اسکول کی مجلس انتظامیہ کی خدمت میں حسب ذیل الفاظ میں مبارکباد پیش کی:-

"دشت غربت میں نہیں پوچھنے والا کوئی
کچھ تسلی مجھے نقش کف پا دیتے ہیں

آج خدائے برتر کے جو غیرت سے ہمت کرنے پر قدرت رکھتا ہے عنایت و کرم ہے آپ کو یہ مبارک دن دیکھنا نصیب ہوا ہے کہ آپ کی کوششیں اس منزل تک پہونچی ہیں کہ صوبہ کے ایک حکمراں نے آپ کے مدرسہ کو اپنے نام نامی سے منسوب کرنا منظور فرماکر اس کا بنیادی پتھر رکھنے کے لئے بدایوں آنے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے اپنی اس کامیابی پر آپ کو جسقدر مسرت نہ ہو وہ کم ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ابھی آپ کا کام ختم نہیں ہوگیا بلکہ اگر سچ پوچھئے تو اب آپ کی مشکلات کا دور شروع ہوتا ہے۔ آجکل کے زمانہ میں کسی پبلک انسٹی ٹیوشن کو کامیابی کے ساتھ چلانے میں اس کے کارکنوں کو جو دشواریاں پیش آتی ہیں امید ہے کہ آپ ان پر غالب آئیں گے لیکن صرف اسی حالت میں جبکہ آپ کو اپنے ارادہ

میں بدرجۂ کمال استقلال حاصل ہو یعنی اگر منزل مقصود پر پہونچنے کے لئے پہاڑ بھی چیرنا پڑے تو آپ اس سے گھبرا نہ جائیں۔ استقلال کے علاوہ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ مایوسی کو آپ اپنے قریب نہ آنے دیں کیونکہ جب شروع سے آپ مایوس ہو جائیں گے اور جب اپنے گوہر مقصود کے ملنے کی آپ کو امید بھی نہ ہوگی تو آپ اس کے لئے لاکھ کوشش کریں لیکن آپ کا دل ہرگز کوشش نہ کرے گا۔ اور جس کام میں دل سے کوشش نہ ہوگی اس میں کامیابی معلوم!

ہمارے بہت سے دوست ابتداءً کسی قومی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اس کے متعلق ابتدائی کام کرنے سے صرف اسی وجہ سے گریز کرتے ہیں کہ وہ پہلے دن سے یہ خیال اپنے دل میں جا لیتے ہیں کہ یہ کام چلنے والا نہیں پہلے اس مدرسہ کے متعلق بھی بعض اراکین کے ایسے ہی خیالات تھے لیکن اگر وہ اپنے گنے چنے اشخاص بھی جنھوں نے اس خیالی اسکیم کو اس منزل تک پہونچا دیا ہے مایوسی کی تصویر کو اپنے پیش نظر رکھتے تو کیا وہ وقت جو آج نصیب ہوا ہے ہمیں دیکھنے کو ملتا ہرگز نہیں۔

بہرحال اس اسکول کی اسکیم امید و بیم کے ابتدائی درجے سے گذر گئی ہے اس لئے ہماری خواہش ہے کہ اب اس مدرسہ کے لئے عملی کام کرنے والوں کا دائرہ وسیع ہو جائے اور اس کے جملہ اراکین اس کام میں دامے درمے قدمے قلمے جس طرح بھی ممکن ہو مدد کریں تاکہ تقسیم عمل کا اصول اس جدید انسٹی ٹیوشن کے تمام ابتدائی مشکلات کو آسان بنا دے۔ سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ چندہ جمع کیا جائے نہ صرف یہ کہ موعودہ رقوم جلد ادا ہو جائیں۔ بلکہ تمام ضلع اور اس کے لید قرب وجوار کے اضلاع میں ڈیپوٹیشن بھیج کر اجتماع چندہ کے لئے جملہ اراکین اپنے اپنے اثر کو کام میں لائیں۔ خلاصہ یہ کہ اس معاملہ میں ہم سے

ہر ایک "درصنی الدین" بن جائے تاکہ اینده ۱۱ ربیع تک اسکول کی عمارت تیار ہو جائے اور پھر اسی شان و شوکت کے ساتھ اس کی رسم افتتاح حضور سر جیمس بالقابہ کے دست مبارک سے کی جائے ؎

ہے درد و غم و یاس و تمنا مرے دل میں
اللہ رے وسعت کہ ہے کیا کیا مرے دل میں"

اس مبارکباد کا ایک ایک لفظ قومی درد اور حب وطن میں ڈوبا ہوا ہے۔ نظامی صاحب نے ہائی اسکول کی تحریک کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جس قدر انہماک اور تن دہی سے کام کیا ہے اہل بدایوں اور ان کی آئندہ نسلیں اوس احسان کو فراموش نہیں کر سکتیں۔ جتنے منصوبے اس خیال کو عمل میں لانے کے لئے وجود میں آئے وہ سب کے سب نظامی صاحب کے دماغ و قلم کا نتیجہ ہیں۔ اپنے رفقائے کار کو عمل کے لئے ابھارنے میں ادھیں کا حصہ ہے۔ بارہ سال سے کچھ زیادہ ہی مدت تک تقریباً ۲۰۰ کالم یا دوسرے لفظوں میں چوبیس ہزار سطریں یا تین لاکھ الفاظ خاص ایڈیٹوریل اور مراسلت کے صیغہ میں اس مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے ذوالقرنین میں لکھے گئے اس تمام قلمی جد و جہد نے ۱۲ جولائی ۱۹۱۲ء کو شرف کامیابی حاصل کیا اور یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا جبکہ اس تاریخ پر سنگ بنیاد نصب کرنے کی مبارک رسم ہز آنر سر جیمس مسٹن کے ہاتھوں ادا ہوئی۔

اراکین مدرسہ کی طرف سے یورپین و دیسی حکام و رؤسا و درباریان وغیرہ کو اس رسم میں شرکت کے لئے دعوتی کارڈ پہلے سے جاری کر دیئے گئے تھے جلسہ سے تقریباً چار پانچ گھنٹہ قبل بارش آجانے کے سبب گورنمنٹ ہائی اسکول کے وسیع ہال میں فوری انتظام جلسہ اور ایڈرس کے لئے کیا گیا۔ لاٹ صاحب کے

تشریف لانے سے پہلے ذو القرنین کے خاص نمبر کی کاپیاں جس میں لاٹ صاحب بہادر کے حالات اسلامیہ ہائی اسکول کی تاریخ اڈریس اور دیگر ضروری مضامین متعلقہ تقریب، دریسہ وغیرہ تھے تمام حاضرین کو تقسیم کردی گئی تھیں جب لاٹ صاحب بہادر کرسی پر رونق افروز ہو گئے تو خان بہادر مولوی محمد رضی الدین صاحب نے اڈریس پڑھا۔

اڈریس جو منجانب ٹرسٹیان انجمن اشاعت تعلیم مسلمانان بدایوں بحضور معلی القاب نواب سر جیمس اسکارجی مسٹن صاحب بہادر کے جی۔ کے سی۔ ایس آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ڈی۔ ڈی لفٹنٹ گورنر صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ ۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء کو مسٹن اسلامیہ ہائی اسکول شیخو پور و بدایوں کے رسم سنگ بنیاد کے موقعہ پر پیش ہوا۔

حضور والا!

ہم ٹرسٹیان وممبران مجلس انتظامیہ انجمن اشاعت تعلیم مسلمانان بدایوں حضور کی تشریف آوری کا نہایت خلوص اور مسرت کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں بدایوں کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر ہو سکتا ہے کہ حضور والا کو اس سے ایک خاص قسم کی انسیت ہے جس کا اظہار حضور والا نے مختلف موقعوں پر فرمایا ہے ہم کو یاد ہے کہ اخبار پاینیر نے حضور کے اس عہدہ جلیلہ پر تقرر ہونے کی خبر سن کر اس امر دلعزیزی کا تفصیلی ذکر کیا تھا جو حضور والا کو بدایوں میں حاصل ہے جس کی ایک اعلیٰ مثال آج کی یہ رسم سنگ بنیاد ہے ہم کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تاریخی حیثیت سے بدایوں صرف اس صوبہ میں بلکہ تمام ہندوستان میں ایک خاص رتبہ رکھتا ہے اس واقعہ کی طرف خود حضور والا نے بھی اپنی اس مشہور تقریر میں اشارہ فرمایا ہے جو بہ مقابلہ الہ آباد اس صوبہ کی تاریخی انجمن کے جلسہ میں نومبر گزشتہ

باب دوم

میں فرمائی تھی۔ ہندوستان کی مختلف اسلامی حکومتوں کی تاریخیں بھی سرکار
بدایوں اور اکابر بدایوں کے حالات سے بھری ہوئی ہیں۔ اور ہمارے لئے یہ کچھ
کم فخر کی بات نہیں ہے کہ بدایوں کی سرزمین میں علمی دنیا کے بہت سے مشاہیر پیدا
ہوتے رہے ہیں اگرچہ ہمارا گزشتہ زمانہ عظیم الشان رہا ہے لیکن ہمارا تنزل
بھی اسی قدر نمایاں ہے اور ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بالخصوص اس
۲۰ سال کے اندر جب سے کہ حضور نے ہمارے ضلع سے مفارقت کی ہے ہماری
علمی اور مالی حالت نے نہایت سرعت کے ساتھ تنزل کیا ہے۔

بد قسمتی سے مسلمانان بدایوں نے انگریزی تعلیم کی ضرورت کو بہت تاخیر اور
دقت کے ساتھ محسوس کیا اور اگر علی گڑھ کا اثر ہمارے اس شہر تک جو علی گڑھ
سے اسقدر قریب ہے نہ پہونچتا تو ہمکو یقین ہے کہ بہ استثنا دو چار آدمیوں کے
ہمکو کوئی مسلمان انگریزی جاننے والا بھی شہر میں نہ ملتا۔ اور اب جبکہ زمانہ کی
رفتار اور افلاس کی روز افزوں ترقی نے ہمارے شہر کے ہر ایک خاندان کو
اس ضرورت کی طرف بہ دل متوجہ کر دیا ہے تو ہمکو محسوس ہوتا ہے کہ ہماری دیرینہ
غفلت کی وجہ سے ہمارے ذرائع محدود ہو گئے اور ہماری ہمتیں پست ہو گئی
ہیں اسی پریشانی میں دفعتاً خوش قسمتی سے جب ہمارے کانوں میں یہ خبر پہونچی کہ
حضور والا نے اس صوبہ کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے تو اسوقت
ہمارے مایوس دلوں میں تحریک پیدا ہو گئی اور ہم کو حضور کی سرپرستی میں اپنی
درسگاہ قائم کرنے کا خیال آیا۔ تقریباً اسی زمانہ میں اس ملک کے ہر دلعزیز
وائسرائے ہند یعنی جناب لارڈ ہارڈنگ صاحب بہادر کا اہم رزولیوشن مسلمانوں
کی تعلیم کے متعلق شائع ہوا جس کی وجہ سے ہم نے اپنی درسگاہ کھولنے کا ارادہ
مضبوط کر لیا لیکن ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہماری کوششوں کو اس وقت تک

کوئی عملی صورت حاصل نہ ہو سکی جب تک کہ حضور والا نے مارچ گزشتہ کے
دربار دہلی میں ہماری تجویز کے متعلق مہربانی آمیز اور ہمت افزا الفاظ ارشاد نہ فرمائے
یہ الفاظ ہمارے اسکول کی تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں اور ایک
مستقل یادگار رہیں گے۔

حضور والا! جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حال میں ہمارے تنزل کی رفتار
تیز ہو گئی ہے جس کی وجہ سے بہت سے متمول اور شریف خاندان پستی کی طرف چلے
جا رہے ہیں اس لیے ہماری خواہش ہے کہ ہماری درسگاہ اعلیٰ پیمانہ پر قائم
کی جائے تاکہ ہم اپنی روز افزوں بے علمی اور عسرت کا کافی مقابلہ کر سکیں خصوصاً
ایسی حالت میں جبکہ یہ درسگاہ حضور جیسے عالی شان مربی اور مہربان دوست کے
نام نامی سے وابستہ ہو گی۔ اس غرض کے پورا کرنے کے لیے ہم نے اپنی درسگاہ
کو ایک لائق اور تجربہ کار ہیڈ ماسٹر مسٹر اے کلائن بی اے کی نگرانی میں دیا ہے بائر
اور اسٹاف کے انتخاب میں قابلیت کے معیار کو نہایت سختی کے ساتھ محفوظ رکھا
ہے۔ ہماری جماعت میں بدایوں کے سب سے زیادہ متمول مسلمان اور بہترین
تعلیم یافتہ اشخاص شامل ہیں اور بخلاف دیگر پرائیویٹ اسکولوں کے جو اس صوبہ
میں کھولے گئے ہیں ہمارے قبضہ میں ایک معقول جائداد وقف شیخوپور کے ذریعہ
سے بطور مستقل سرمایہ کے آ چکی ہے۔

ہماری انتظامی اور مالی اسکیم حضور کی گورنمنٹ کے سامنے پیش ہو چکی
ہے جس سے حضور والا کو معلوم ہوا ہوگا کہ ہم ہر جز و کل میں ان تمام قواعد
کی پابندی کرنا چاہتے ہیں جو امدادی مدرسوں کے لیے گورنمنٹ نے مقرر
فرما دیئے ہیں تاکہ ہم سرکاری امداد اور سرکاری افسران تعلیم کے مشوروں
سے پورا فائدہ اٹھا سکیں ہم کو یقین ہے کہ ہم حضور کی فیاضی سے استفادہ

اٹھانے میں اس صوبہ کی کسی درسگاہ سے کم نہ رہیں گے۔ خصوصاً ایسی حالت
میں جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور والا نے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کی پستی کو تسلیم کرکے
ان کے لئے خاص آسانیاں بہم پہونچائی ہیں جس کی مثال اس قابل یادگار ریزولیوشن
سے ملتی ہے جو حضور والا نے ۲۹ راگست ۱۹۱۷ء کو صادر فرمایا ہے اور جس وقت
ہم کو اپنے ضلع کے ساتھ حضور کی دلبستگی کا خیال آتا ہے تو ہماری امیدیں
دوبالا ہو جاتی ہیں اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے حوصلوں کی تکمیل کے زینہ
پر بہت جلد پہونچ جاویں گے۔

ہماری مالی ضروریات تفصیل کے ساتھ ہماری اسکیم میں دکھلائی گئی
ہیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ ہمارے حوصلوں کی وسعت ہماری ضروریات کے
پیمانہ کے مطابق ہے اور اگرچہ ہم بالفعل صرف چالیس ہزار روپیہ مدرسہ
اور بورڈنگ ہوس کی عمارت پر اور ایک معقول مستقل رقم تدریس کی مد
میں خرچ کرنا چاہتے ہیں لیکن ہماری کل اسکیم اس خیال پر تیار کی گئی ہے
کہ ہم اس مدرسہ کو بلا کسی دقت کے کالجیٹ اسکول میں فوراً تبدیل کرسکیں۔
ہمارا اسکول خصوصیت کے ساتھ گورنمنٹ کے عطیات کا اس وجہ سے اور بھی
مستحق ہے کہ اس میں طلباء کی مذہبی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا کافی انتظام کیا جا
رہا ہے کیونکہ پچھلی صدی کے تعلیمی تجربہ نے ہم کو بتلا دیا ہے کہ بغیر مذہبی تعلیم
کے کوئی درسگاہ ملک میں خدا ترسی، انسانی ہمدردی، اور بادشاہ کی وفاداری
کے عمدہ نمونے نہیں پیدا کرسکتی۔ ساتھ ہی اس کے ہم کو افسوس کے ساتھ یہ
کہنا پڑتا ہے کہ سررشتہ تعلیم سے ہم کو یہ اطلاع ملی ہے کہ ہمارے اسکول کے دو
اعلیٰ درجے اس سال منظور نہ کئے جائیں گے اور ہم کو شروع میں رواں
اخراجات کے لئے گورنمنٹ سے کچھ مدد نہ ملے گی۔ اس بارے میں ہم نے

ایک مفصل عرضداشت حضور والا کی گورنمنٹ میں ارسال کی ہے اور ہم کو اپنی حالت موجودہ کا لحاظ کر کے یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہمارے ہائی اسکول میں یہ دونوں درجے فوراً منظور نہ کئے جائیں گے تو ہماری دقتیں بڑھ جائیں گی۔

ہم حضور والا کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ باوجودیکہ ملک کے کاروبار میں یورپ کی جنگ عظیم کی وجہ سے مالی کشمکش پیدا ہوگئی ہے تاہم ہمارے ہم وطن مسلمان بھائی جن کو عرصہ سے اپنی تعلیمی کمزوری کا احساس ہو رہا تھا ہماری آواز پر کمر ہمت باندھ کر متفق ہو گئے ہیں اور اس کار خیر میں نہایت خوشی کے ساتھ ہمارے شریک ساتھی بنتے جاتے ہیں ہمکو کامل یقین ہے کہ ہم حضور والا کے ورود مسعود کی وجہ سے زیادہ سرگرمی کے ساتھ کام کرنے لگیں گے اور ہماری کامیابی یقینی ہو جاوے گی ہم حضور والا سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری ہمتیں ہماری استطاعت سے بھی بڑھی ہوئی ہیں جیسا کہ ہم مسلمانان بدایوں نے ایک عظیم الشان اسلامی یادگار جامع مسجد شمسی کو مسمار ہونے سے بچا کر ثابت کر دیا ہے جس کی طرف اس صوبہ کے سابق حکمراں سر آکلینڈ کالون صاحب بالقابہ نے ۱۹۰۸ء میں مسجد مذکور کے ملاحظہ کے وقت ان الفاظ میں اشارہ میں فرمایا تھا کہ اتنی بڑی عمارت شاہی کو بدایوں کے مسلمانوں کا از سر نو تعمیر کر دینا ایک اسیم) نظیر ہے جس سے اور لوگ سبق حاصل کر سکتے ہیں اور حال میں ہم اپنی ہر دلعزیز ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کا مجسمہ نصب کرنے میں روہیلکھنڈ کے قریب قریب سب شہروں سے سبقت لے گئے ہیں۔ اسی طرح ہم استقلال کے ساتھ آمادہ ہیں کہ آج ہم اپنے خاندانوں کی زندہ یادگاروں کی بقا کی عملی صورت پیدا کر دیں اور جیسا کہ سلطان قطب الدین ایبک نے اپنے آقا معز الدین بن

سام (شہاب الدین غوری) کی یادگار میں مشہور و معروف مدرسہ معزیہ عقب جامع مسجد بدایوں قائم کرکے علمی دنیا میں شہرت حاصل کی تھی اسی طرح ہمارا ارادہ ہے کہ ہم حضور والا کے نام گرامی پر اس مدرسہ کی بنیاد ڈال کر اپنی کھوئی علمی دولت کو پھر حاصل کریں اگرچہ ہمکو امید ہے کہ بخلاف اس درسگاہ کے ہماری درسگاہ زیادہ پائدار ثابت ہوگی ہم نہایت سچے دل کے ساتھ اس بیش بہا امداد کے ممنون ہیں جو جناب مسٹر جی۔ سی۔ ڈبلو انگرام صاحب بہادر کلکٹر ضلع سے ہم کو وقتاً فوقتاً ملی ہے اور ہم معترف ہیں کہ اگر یہ امداد حاصل نہ ہوتی تو ہم ابھی تک اپنے حصول مدعا میں موجودہ حالت سے بہت پیچھے ہوتے۔ جو آراضی گورنمنٹ سے اس مدرسہ کے بنائے جانے کے واسطے عطا ہوئی ہے وہ صاحب کلکٹر بہادر موصوف کی کوشش کا نتیجہ ہے ہم دوبارہ حضور والا کی تشریف آوری پر اظہار احسان مندی کرتے ہیں اور نہایت سچے دل سے یقین دلاتے ہیں کہ حضور والا کے قدم رنجہ فرمانے سے ہماری خوشی کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ آج حضور والا ہمارے اسکول ہی کا سنگ بنیاد نہیں رکھتے ہیں بلکہ ہماری آیندہ نسلوں کی فلاح کا سنگ بنیاد رکھ رہے ہیں ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے ملک معظم کا سایہ ہمارے سروں پر عرصہ دراز تک رہے اور حضور والا جناب لیڈی صاحبہ اور حضور کی اولاد سرسبزی اور اقبال مندی کے ساتھ زندہ اور سلامت رہیں آخر میں ہم حضور والا سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اپنے دست مبارک سے "مشن اسلامیہ ہائی اسکول شیخو پورہ بدایوں" کا سنگ بنیاد نصب فرمائیں۔"

ایڈریس کے ختم ہونے پر خان بہادر شیخ محمد عبدالغفار صاحب نے ایڈریس کو جو ریشمی پارچہ پہ نہایت خوبصورتی سے چھاپا گیا تھا اور جب

کے کناروں پر زردوزی کے کام کا ایک خوشنما حاشیہ بنا ہوا تھا جعہ خریطہ نقرئی تھالی میں جس پر ہز آنر کا نام نامی کندہ تھا رکھ کر ان کے حضور میں پیش کیا۔ ہز آنر نے جواباً ایک انگریزی تقریر میں اول بدایوں آنے پر دلی مسرت کا اظہار کیا پھر بدایوں کی اس جدید تعلیمی اسکیم کے عمل میں لائے جانے کے سلسلہ میں فرمایا کہ زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ اسکول کے ارباب حل وعقد نے اسکول کے لئے ایک بہت بڑا وقف حاصل کر لیا ہے اور نقد روپیہ کی کافی تعداد جمع کر لی گئی ہے۔ اسی سلسلہ میں ہز آنر نے فرمایا کہ سب سے زیادہ اطمینان بخش صورت یہ ہے کہ یہاں ہندو مسلمانوں میں اتفاق ہے۔ الاسما اسکول کے قائم کئے جانے پر بدایوں کے ہندوؤں کو کوئی اختلاف نہیں ہے خاص مسلمانان بدایوں کی تعلیمی ترقی کے متعلق فرمایا کہ گزشتہ عرصہ میں بدایوں نے تعلیم میں اسقدر ترقی نہیں کی جس کی کہ بدایوں کے دوستوں کو امید تھی۔ آخر میں فرمایا کہ میرے زمانہ قیام ہندوستان میں صرف ایک سال باقی ہے مجھے امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ عنان حکومت چھوڑنے سے قبل ہی مجھے آپ صاحبان یہ موقع دیں گے کہ اس اسکول کی جدید عمارت کا میں باضابطہ افتتاح کروں"۔

اس کے بعد ایک بوتل جس میں ۱۲ر جولائی ۱۹۱۲ء کے ذوالقرنین کا مشن اسلامیہ ہائی اسکول تحریر کیا ہوا مروجہ سکے بند تھے پیش کی جس کو ہز آنر نے اپنے دست مبارک سے بنیاد میں رکھا۔ بعد ازاں مولوی وحید بخش صاحب نے ایک نقرئی کنی اور نقرئی طشت میں چونہ پیش کیا ہز آنر نے اس طرح رسم سنگ بنیاد کو ادا کیا۔

۲۲ر جولائی ۱۹۱۲ء کو بوقت ساڑھے چار بجے ہز آنر مشن اسلامیہ

حاجی اسکول میں داخل ہوئے دروازہ پر ٹرسٹی صاحبان نے استقبال کیا اور چھوٹے چھوٹے بچّوں نے بطور کورس کے خوش الحانی کے ساتھ مولانا نظامی کی مندرجہ ذیل نظم سے خیر مقدم کیا اس نظم کو سنکر ہز آنر نہایت خوش ہوئے نظم خاص طور پر اس موقعہ کے لئے لکھی گئی تھی

نظم

قسمت نے دکھلایا یہ دن　　　شہر میں آیا شہر کا محسن
وصف تمہارا گو نہیں ممکن　　　رہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

تم ہو بدایوں کے دل آرا　　　شہر دعا گو سب ہے تمہارا
شکر کا ہم کو گو نہیں یارا　　　پر یہ کہنا فرض ہمارا

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

ججی عدالت نئی بنا کی　　　مٹ گئی دقت خلق خدا کی
شہر کی جو حاجت تھی روا کی　　　شرط حکومت تم نے ادا کی

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

یوں تو ہیں سب احسان مسلم　　　سب سے ہے یہ احسان مقدم
تھے تعلیم میں سب سے کم ہم　　　تم نے مدد کی اپنی پیہم

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

ہو گئے مکتب گھر گھر جاری　　اب سدھر گئی قوم ہماری
مٹ جائے گی جہالت ساری　　یہ احسان ہے تمہارا بھاری

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

شہر کی اپنے تھی یہ حالت　　پھیلی تھی ہر سمت جہالت
گھر گھر چھائی ہوئی تھی عسرت　　کی تم نے بروقت عنایت

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

مدرسہ تھا کوئی نہ ہمارا　　تھا نہ کہیں پڑھنے کا سہارا
پھرتا تھا ہر اک مارا مارا　　مٹ گیا اب خلجان یہ سارا

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آراضی سرکاری دے کر　　مدرسہ کا بنیادی پتھر
رکھا اپنے ہاتھ سے آکر　　شکر ادا ہو ہم سے کیونکر

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

جودہ سنہ کا برسا ساون　　خوب کھلا ہے علم کا گلشن
پھولوں سے بھر دو خالی دامن　　اور سرسبز اور سرسبز

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

باب دوم

اس میں شک نہیں کہ یہ بڑا کام مسلمان رؤسا بدایوں کے اشتراک عمل اور ان کی مالی امداد سے انجام پایا مگر ان رؤسا کو اس کارخیر کے لیے آمادہ کرنا مولانا نظامی صاحب ہی کا کارنامہ ہے۔ وہ آخر دم تک اس انسٹی ٹیوشن کی بقا اور ترقی کے لئے کوشش کرتے رہے مولانا مرحوم اس کے دوامی ٹرسٹی تھے آپ نے گاہے گاہے پریسیڈنٹ، وائس پریسیڈنٹ، جوائنٹ سکریٹری اور سکریٹری کے فرائض بھی ادا کئے اپنی انتھک کوششوں اور پورے انہماک سے اس ادارہ کو ترقی دینے میں مصروف رہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلم اسلامیہ ہائی اسکول ۱۹۴۲ء میں انٹر کالج ہو گیا۔

حافظ محمد صدیق صاحب "تاجر اعظم" کا نپور نے ہائی اسکول سے کالج بننے میں خاص طور پر بہت مالی امداد کی اس وجہ سے اس کا نام "حافظ محمد صدیق مسلم اسلامیہ انٹر کالج ہو گیا"۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ اس ادارہ کو ڈگری کالج دیکھیں لیکن افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی تاہم اوھوں نے اس مدرسہ کو اپنی آنکھوں سے انٹر کالج دیکھ لیا۔

۷۔ کتب خانہ و دارالاشاعت اسلامی | مولانا نظامی کا ابتدا سے یہی نصب العین رہا کہ وہ ملک کی تعلیمی ترقی اور معاشرتی اصلاح میں جد و جہد کرتے رہیں ان کی یہ دلی آرزو تھی کہ مسلمان جو تعلیم میں اپنے برادران وطن سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں کسی طرح ان کے ہم پلہ ہو جائیں اسی لئے اونھوں نے سرسید علیہ الرحمۃ کی تعلیمی پالیسی کی ہمیشہ تائید کی۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے سرگرم معاون رہے ان کا خیال تھا کہ تعلیم ہی کے ذریعہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سچا اتحاد ہو سکتا ہے ان کا قول تھا کہ ہندو مسلم ہندوستان کی دو ہی ایسی قومیں ہیں جو متحد ہو کر اس کو آزاد کرا سکتی ہیں بشرطیکہ وہ دونوں

مل کر اپنے پیارے وطن کے لیے پہلو بہ پہلو کام کر سکیں۔

ضلع بدایوں کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت دس فی صدی تھی ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اُنھوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا کیونکہ اسوقت جنگ عظیم کے چھڑ جانے سے لوگوں کو اخبارات پڑھنے کا شوق بھی پیدا ہو چلا تھا۔ اُنھوں نے یہ خیال کیا کہ اس وقت ایک کتب خانہ اور ریڈنگ روم قائم کر دیا جائے تو لوگوں میں تعلیم سے دلچسپی چل پیدا ہو جا دے گی چنانچہ ۳ دسمبر ۱۹۱۴ء کو اُنھوں نے ایک عام جلسہ کیا اور اس میں اس ضرورت کو پیش کیا۔ حاضرین جلسہ نے اس تجویز کو بے حد پسند کیا فوراً ایک انتظامیہ کمیٹی حسب ذیل صاحبان کی بنا دی گئی اور کام شروع ہو گیا۔

(۱) شیخ ستار محمد صاحب رئیس شیخو پور پریسیڈنٹ۔

(۲) مسٹر صبیح الدین احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا وائس پریسیڈنٹ۔

(۳) مولوی محمد اکرام عالم صاحب وکیل آنریری سکریٹری۔

(۴) مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی ایڈیٹر ذوالقرنین جوائنٹ سکریٹری

(۵) قاضی مظہر الاسلام صاحب عباسی آنریری لائبریرین۔

یہ کتب خانہ دارالاخبار ڈسٹرکٹ بورڈ کی اس عمارت میں جو گھنٹہ گھر کے متصل ہے کھولا گیا کام شروع کرنے کے لیے بہت سے لوگوں نے اپنی کتابیں لائبریری کے لیے عنایت کیں۔ اخبارات جو دفتر ذوالقرنین میں آتے تھے وہ سب نظامی صاحب نے روزانہ بھیجنا شروع کر دیئے اس طرح چند ہفتوں میں ایک اچھی خاصی تعداد کتابوں اور اخبارات کی ہوگئی۔ اس کام کو جاری ہوئے ایک سال مشکل سے گزرا تھا کہ عید الفطر کا تہوار آگیا اسوقت یہ خیال ہوا کہ کوئی ایسی عام جگہ ہونا چاہیئے جہاں

عید کے دن ایک دوسرے سے آسانی سے مل سکیں۔ بدایوں میں عام
طور سے عید کی نماز محلوں کی مساجد میں ہوتی ہے جن میں سب لوگ
ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اس کے متعلق ذوالقرنین میں نظامی صاحب
نے پہلے بھی مسلمانان شہر کو توجہ دلائی تھی کہ وہ نماز عیدگاہ شمسی میں پڑھا
کریں تاکہ بدایوں کے تمام مسلمان وہاں ایک دوسرے سے مل سکیں۔
اسی سلسلہ میں ۱۴ اگست ۱۹۱۵ء کے ذوالقرنین میں نظامی صاحب نے
"بدایوں میں عید" کے عنوان کے ماتحت حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا۔

"بدایوں میں عیدگاہ شمسی ایک تاریخی عمارت ہے جو سلطان
شمس الدین التمش کے وقت کی مٹی مٹائی یادگار ہے۔ لیکن
چونکہ اہل شہر نے اس سے کام لینا چھوڑ دیا ہے اس لئے وہ
نہایت کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ ہمارے معزز
دوست حافظ محمد فضل اکرم صاحب نے گزشتہ سال اس کے
متعلق کئی مضمون بھی ذوالقرنین میں نکالے تھے لیکن افسوس
کہ اس پر کسی بدایونی دوست نے توجہ نہ فرمائی اور نہ اس پر
کبھی توجہ ہونے کی امید ہے الا اس صورت میں کہ ہم اپنے
اپنے محلہ کی مسجدوں میں عید کی نماز کا معمول چھوڑ دیں اور دوسرے
شہروں کی طرح عید کے دن صرف عیدگاہ میں نماز ادا کرنے
کا اہتمام کریں۔ جب یہ صورت ہو گی تو پھر قدرتی طور پر عیدگاہ
کی مرمت کی ضرورت لاحق ہو گی ورنہ رفتہ رفتہ یہ تاریخی تصویر
معدوم ہو جائے گی اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

محلہ کی مساجد کے علاوہ جامع مسجد شمسی بدایوں میں بھی نماز ہوتی ہے

"لیکن افسوس ہے کہ تمام شہر کے شرفا ء وہاں بھی نظر نہیں آتے صرف پردیسی ملازمت پیشہ اشخاص یا قریب کے محلوں کے مسلمان شریک ہوتے ہیں غرض بدایوں میں جماعت عید کا منشاء پورا نہیں ہوتا اور اہل شہر کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع حاصل نہیں ہوتا۔"

بدایوں میں تھوڑے دنوں سے ایک اسلامیہ کتب خانہ و دار الاخبار قائم ہوا ہے جس کا ذکر انھیں کالموں میں ایک سے زائد مرتبہ آچکا ہے۔ امسال ستر ھویں روزہ کو اس کا جلسہ عام تھا اور افطار کا جلسہ بھی منعقد ہوا تھا اس موقع پر اراکین انجمن نے یہ طے کیا کہ اس انجمن کی طرف سے عید کی شام کو ایک جلسہ منعقد کیا جائے چنانچہ عید کی شام کو یہ جلسہ منعقد ہوا اس جلسہ میں شہر کے تمام چیدہ اور علم دوست اصحاب مدعو کیے گئے تھے۔
غرض جلسہ منعقد ہوا اور کامیاب جلسہ ہوا دار الاخبار کے مکان کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ رنگ رنگ کی آرائش سے دلہن بنا دیا گیا تھا قریب قریب شہر کے ہر معزز خاندان اور طبقہ کے قائم مقام شریک تھے کمروں اور برآمدوں میں لوگ ایک دوسرے سے عید مل رہے تھے اور بعض پان کر دل خوش کر رہے تھے سارا مکان جلسہ حاضرین کی زرق برق پوشاکوں سے چمک اٹھا تھا سات بجے سے ساڑھے سات بجے تک یہ جلسہ ملاقات قائم رہا جنوبی برآمدہ کے سامنے والے میدان میں پر تکلف کھانے میزوں پر چنے ہوئے تھے وقت مقررہ پر کارکنان جلسہ نے مہمانوں سے استدعا کی کہ اب وہ میزوں کی طرف متوجہ ہوں چنانچہ نہایت خندہ پیشانی سے یہ عرض قبول کی گئی اور تقریباً آٹھ بجے تک خورد و نوش کا خوب لطف رہا ریفریشمنٹ کا کل

باب دوم

سامان اس انجمن کے پریسیڈنٹ شیخ سید محمد صاحب کی علو ہمتی کا نتیجہ تھا۔
۸ بجے کے بعد شمالی احاطہ میں جلسہ مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ سید محفوظ علی صاحب
بی۔ اے علیگ جو بدایوں کے ایک قابل ادیب ہیں اس جلسہ کے صدر قرار دیئے
گئے۔ یوں تو بدایوں میں ہر سال بے شمار جلسے شعر و سخن کے منعقد ہوتے رہتے ہیں
لیکن یہ جلسہ بدایوں کی تاریخ میں اپنی شان اور نوعیت میں ایک نیا جلسہ تھا۔
بدایوں کے شعرا اور آج تک اپنی اسی روش پر عمل پیرا رہے تھے جس پر ابتدائی شاعر
ہمیشہ فخر کرتے رہے ہیں لیکن زمانے نے اس روش کو عرصہ ہوا کہ اہل نظر کی
نظروں سے گرا دیا ہے اس سے قبل ذوالقرنین اپنے مقامی شعرا کو اکثر مواقع
پر زمانہ کی روش کی طرف متوجہ کرتا رہا ہے جس کا عملی نتیجہ یہ عید کا مشاعرہ
تھا۔ غزلیں پڑھی گئیں ان غزلوں میں نہایت پاکیزہ خیالات نظم کئے گئے تھے۔
مشاعرہ ختم ہونے پر میجک لینٹرن دکھائی گئی یہ لینٹرن چودھری محمد صلاح الدین صاحب
رئیس کھیڑہ نے خاص طور پر کلکتہ سے منگوا کر کتب خانہ کو عنایت فرمائی ہے"
اس سلسلہ میں نظامی صاحب مرحوم نے لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی و علامہ سر اقبال
کو بھی دعوت دی تھی۔ ہر دو صاحبان نے اس مشاعرہ کے لئے مندرجہ ذیل
نظمیں روانہ فرمائیں جو ذوالقرنین مورخہ ۲۱ راگست ۱۹۱۵ء میں صفحہ ۱۱ پر چھپی ہیں

قطعہ عید

(از جناب اکبر الہ آبادی)

خوش پھر رہی ہے خلق خدا صبح عید ہے	ہر سمت زیب زینت دنیا کی عید ہے
بازار دہر میں ہے متاع سرور سستے	با منفعت فروخت ہی دلکش خرید ہے
صوفی کی انجمن میں بھی شاہی کا ہے سماں	لطف نوائے مطرب و ناہید ہے

ست اپنے رنگ میں ہیں نئی روشنی کے دوست　　　اظہار جوش طبع بہ طرز جدید ہے
جائے سرور دل میں ہے کچھ مایۂ نشاط　　　اس سے شراب طول امل کی کشید ہے
ہے یونیورسٹی بھی الکشن بھی لیگ بھی　　　ہر سمت اک خضر طریق امید ہے
مجھ کو خروش دیکھ کے پوچھا یہ چرخ نے　　　تو بھی اس آب و رنگ سے کچھ مستفید ہے
میں نے کہا کہ حالت عشاق ہے کچھ اور　　　پروا نہ ہو وفا کی یہاں سے امید ہے
پیش نظر ہمارے ہے شام شب فراق　　　اس کی سحر جو ہو تو ہماری بھی عید ہے

(از ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب)

یہ شالامار میں اک برگ زرد کہتا تھا (۱) گیا وہ موسم گل جس کا رازدار ہوں میں
نہ پائمال کریں مجھ کو زائران چمن (۲) انہیں کے شاخ نشیمن کی یادگار ہوں میں
ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو (۳) چمن میں آکے سراپا غم بہار ہوں میں
مجھے قسم ہے نظامی مدینے والے کی (۴) ہمیشہ ماتم امت میں اشکبار ہوں میں
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یاد فصل بہار (۵) خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں
اجاڑ ہو گئے عہد کہن کے میخانے (۶) گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں
مرا دماغ نوا ریز و ہم نشینی گل (۷) مرے نصیب کہاں غنچہ ہزار ہوں میں

پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

اس قطعہ پر حضرت عالی بدایونی نے تضمین کی۔ ناظرین کی تفنن طبع کے لیے وہ مخمس ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

نسیم صبح پہ پھولوں کو ناز بیجا تھا　　　انہیں خیال بھی خوف خزاں کا رکھنا تھا
ہرا بھرا کبھی نخل امید اپنا تھا　　　یہ شالامار میں اک برگ زرد کہتا تھا

گیا وہ موسم گل جس کا رازدار ہوں میں

شجر سے کوئی نہ ان بن نہ پھول کا دشمن — زمیں پہ حکم خزاں سے بنالیا مسکن
بس اب تو رحم کریں نوجواں سیر گلشن — نہ پائمال کریں مجھکو زائران چمن

انھیں کی شاخ نشیمن کی یادگار ہوں میں

بہار باغ سے ہو وقت جبکہ رخصت ہو — تو کس طرح سے کرے ضبط باغباں تم ہو
یہ بے زبانوں کے نالہ میں ہے اثر دیکھو — ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو

چمن میں آکے سراپا غم بہار ہوں میں

وہ دن گئے وہ زمانے گئے وہ عمر گئی — کہ میں تھا اور تھی شعر و سخن سے دلچسپی
نہ وہ دماغ رہا ساتھ وہ طبیعت تھی — مجھے قسم ہے نظامی مدینہ والے کی

کہ آج ماتم ملت میں اشکبار ہوں میں

نہ مجھ سے پوچھئے حالت ہے آج کیا میری — گرے پہاڑ جو سر پر تو کیا بچے کوئی
حواس خمسہ ٹھکانے نہیں غزل کیسی — مجھے قسم ہے نظامی مدینے والے کی

ہمیشہ ماتم ملت میں اشکبار ہوں میں

وہ دین جس سے کہ بزم جہاں کی رونق تھی — ہزار حیف کہ مردہ ہوا ہے جیتے جی
ہنر کیا غم نہ ہوں یہ ہے خلاف ہمدردی — مجھے قسم ہے نظامی مدینے والے کی

ہمیشہ ماتم ملت میں اشکبار ہوں میں

خدا نہ دے کسی دشمن کو ہجر کا آزار — بلائے غم سے نہ ہو آشنا کوئی زنہار
وہاں ہے آج بیاباں جہاں تھا گل گلزار — خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یاد فصل بہار

خوشی ہو جب کی کیوں کر کہ سوگوار ہوں میں

شراب علم و عمل کے کہاں ہیں پیمانے — زمیں نگل گئی یا آسماں خدا جانے
نہ اب وہ دور نہ ساقی نہ اب وہ مستانے — اجاڑ ہو گئے عہد کہن کے میخانے

گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

جھکائے سر کوئی بیٹھا ہے صورتِ سنبل　　　نہ قہقہے ہیں نہ وہ چہچہے نہ شور نہ غل

نہ چھیڑ مجھ کو مبارک رہے تجھے بلبل　　　سرودِ مرغِ نوا ریز و ہم نشینیٔ گل

مرے نصیب کہاں غنچہ امتزار ہوں میں

وہ غم پسند ہے دل غم سے چین پاتا ہے　　　خوشی کی باتوں سے منہ کو کلیجہ آتا ہے

یہ لطف دیدۂ ملاقات دل دکھاتا ہے　　　پیامِ عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے

ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

علامہ اقبال کا یہ قطعہ بانگِ درا میں صفحہ ۲۳۳ پر بہ عنوان "عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں" چھپا ہے۔ مگر بجائے آٹھ شعروں کے صرف چھ شعر ہیں چوتھا شعر اور پانچواں شعر نادارد ہے۔ اس قطعہ کا ایک ایک شعر دوسرے شعروں سے وابستہ ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دونوں شعر کس وجہ سے نظر انداز کئے گئے قصداً اس قطعہ سے خارج کئے گئے یا کسی سہو سے تحریر ہونے سے رہ گئے۔ غالباً بانگِ درا مرتب کرتے وقت یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ نظامی کون بزرگ ہیں؟ اور یہ نظم کس کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ بہرحال چونکہ یہ دونوں شعر علامہ اقبال کے قلم سے نکلے ہیں اور اس قطعہ کے اہم شعر ہیں ہمیں امید ہے کہ آئندہ جب بانگِ درا کا جدید ایڈیشن طبع ہوگا تب یہ دونوں شعر بھی اس قطعہ میں شامل کر کے اس نظم کو مکمل کر دیا جائے گا۔

یہ دارالاخبار اور کتب خانہ بلا تفریق مذہب و ملت ہندو مسلمان سب کے لئے کھلا رہتا تھا۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ اس میں آتے اخبار بینی و مطالعہ کتب سے فیض پاتے اور لطف اندوز ہوتے تھے قوم کے کچھ ہونہار

اور بیکار نوجوانوں کو دیکھ کر مولانا نظامی مرحوم کو ان کو باکار بنانے کا خیال آیا چنانچہ بمشورہ مولوی محمد اکرام عالم صاحب قضائی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی یہ تجویز ہوا کہ شام کے باشب کے وقت قانونی لکچروں کا سلسلہ شروع کیا جاوے اور مختارشپ و ریونیو ایجنٹ کے پرائیویٹ امتحان کے لیے قوم کے ان بیکار ہونہاروں کو تیار کیا جاوے۔ مولوی محمد اکرام عالم صاحب نے اپنی خدمات اس مفید کام کے لیے مفت پیش کیں۔ اور شام کے وقت باشب میں مولوی صاحب موصوف نے قانونی لکچروں کا سلسلہ شروع کر دیا جس میں مختلف محکموں کے اہلکار اور بیکار نوجوان شامل ہوتے اور لکچروں سے مستفید ہوتے تھے۔ مختاری اور ریونیو ایجنٹی کے امتحان میں اس ادارہ سے جتنے صاحبان شریک امتحان ہوئے وہ دونوں مضامین یا ایک مضمون میں قریب قریب سب کامیاب ہوئے اور آج بھی ان میں سے متعدد اصحاب زندہ ہیں اور کامیاب پریکٹس کر رہے ہیں کچھ عرصہ تک یہ انسٹی ٹیوشن کامیابی سے چلتا رہا بدایوں کی پبلک میں کافی احساس مطالعہ کتب اور اخبار بینی کا ذوق پیدا ہو گیا اس کے بعد پبلک کی عدم توجہ اور بے ذوقی کی بدولت یہ مفید ادارہ ختم ہو گیا۔

۸۔ بدایوں میں مسلم یونیورسٹی کی تحریک | سنہ ۱۹۰۲ء میں الہ آباد یونیورسٹی کے جلسہ کنووکیشن کے موقع پر سر جان ہیوٹ لفٹننٹ گورنر صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ نے "ہندوستان میں تعلیم" کے عنوان پر ایک نہایت طویل تقریر کی تھی اس میں آپ نے فرمایا تھا کہ:۔

"ہندوستان میں تعلیم کا طریقہ زیادہ تر کتابی ہے۔ یہ الزام نہ تو نیا ہے اور نہ بے بنیاد ہے ۱۸۸۲ء کی تعلیمی کمیشن نے تعلیم کی صرف

اس یک رخی پالیسی پر سخت اعتراض کیا اور سفارش کی کہ عملی تعلیم بھی دلانا بڑی ضروری ہے۔ اب تک گورنمنٹ یا رعایا دونوں نے کمیشن مذکور کی سفارشات پر نہایت کم توجہ کی ہے۔ اس بارے میں رعایا بہت کچھ موردِ الزام ٹھہرائی نہیں جا سکتی۔ اس لئے کہ اس ملک میں تمام تعلیم گورنمنٹ کے قبضہ اور اقتدار میں ہے ابتدائی اور سیکنڈری تعلیم گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم کی کامل نگرانی میں ہے اور یونیورسٹیاں جو اعلیٰ تعلیم پر نگرانی رکھتی ہیں ان میں حال میں تمام حکام ہی حکام بھرتی کر کے ان کو بھی گویا گورنمنٹ نے اپنا ایک سررشتہ بنا لیا ہے سینٹ میں ہندوستانیوں کو بہت کم دخل دیا جاتا ہے جو ہندوستانی ممبر ہوتے ہیں وہ آزادانہ رائے دینے والے نہیں ہوتے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارا سررشتہ تعلیم اور یونیورسٹی دونوں سررشتے باشندگانِ ملک کی اصلی ضروریات کے معلوم کرنے کی بالکل کوشش نہیں کرتے اس لئے لوگوں کو ان دونوں سررشتوں سے دلچسپی کم ہے۔ گورنر صاحب مرحوم کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے، فروری ۱۹۱۱ء کے ذوالقرنین میں نظامی صاحب نے ایک مضمون بعنوان "مسلم یونیورسٹی اور ہماری موجودہ تعلیم کے نقائص کے رہنمائی اسباب" لکھا جس میں آپ نے مسلم یونیورسٹی کی تحریک کے متعلق جو عرصے کا غازی ہے ان میں چل رہی تھی لکھا کہ جب مسلم یونیورسٹی بن جائے گی اس وقت ہم اپنے بچوں کو صحیح تعلیم دے سکیں گے۔ آپ نے اس مضمون میں لکھا ہے کہ:۔

"موجودہ یونیورسٹیوں کی تعلیم ہماری قوم کو ہرگز معزز قوم نہیں بنا سکتی بلاوہ ازیں عام مسلمانوں کو بھی گزشتہ تجربہ نے

یہ بتلا دیا ہے کہ جدید علوم کی تعلیم کا حاصل کرنا ان کے لئے لابد اور اشد ضروری ہے لیکن اسی کے ساتھ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے مقدس اور پیارے مذہب کی تعلیم سے بھی ان کے بچے بے بہرہ نہ رہیں۔ مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کی اس خواہش کے پورا ہونے کا اب وقت قریب آپہونچا ہے یعنی ان کی اپنی یونیورسٹی جو مسلم یونیورسٹی کہلائے گی موجودہ تعلیم کی تمام خرابیوں کو رفع کر دے گی ایک طرف تو وہ ہمارے بچوں کو موجودہ علوم و فنون کی برکتوں سے فیض یاب کرے گی اسی کے ساتھ وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے گی کہ اس کے گریجو ایٹ زرد رنگ بھیا رضوانت در دسر کے شاکی نہ ہوں اور یہ کہ اس کے تعلیم یافتہ دنیا میں مسلمان ہو کر چمکیں۔"

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ملک میں اخبارات میں یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے مضامین لکھے جا رہے تھے۔ یونیورسٹی کی تحریک تخیل کی حدود سے نکل کر آگے بڑھ گئی تھی۔ ہر ہائنس سر آغا خاں بالقابہ کی تحریک اور دلچسپی عشق کے درجہ پر پہونچ گئی تھی ضلع ضلع مسلم یونیورسٹی کی صدائیں گونج رہی تھیں اور مسلم یونیورسٹی کا فنڈ جمع کرنے کے لئے کمیٹیاں بنائی جا رہی تھیں۔ نظامی صاحب اس کے متعلق متن۔ مضامین لکھ کر مسلمانان ہند بالخصوص مسلمانان ضلع بدایوں کو متوجہ کر رہے تھے سب سے پہلے خان بہادر شیخ سید محمد صاحب ہوش رئیس شیخوپور نے محمڈن یونیورسٹی کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا جو ۱۸ / ۲۲ جنوری ۱۹۱۱ء کے ذوالقرنین میں شائع ہوا۔ اس کے بعد رئیس موصوف نے نظامی صاحب کو ایک خط لکھا جس میں مسلم یونیورسٹی کے لئے فراہمی چندہ کا کام شروع کرنے

کے لیے آمادگی ظاہر کی اس کے بعد شہر کے دیگر معززین نے بھی اس میں دلچسپی لینا شروع کی ۱۳ فروری ۱۹۱۱ء کو ایک باقاعدہ کمیٹی بن گئی جس کا نام "لوکل کمیٹی محمڈن یونیورسٹی بدایوں" رکھا گیا۔ مگر شہر میں مرض طاعون کی کثرت اور صدر دفتر سے رسید بہیوں کے نہ آنے کے باعث کام کی رفتار قدرے سست رہی اس زمانے میں شیخ سید محمد صاحب رئیس شیخوپور اور مولوی محمد سلیمان صاحب رئیس بدایوں نے مفصلات کا دورہ شروع کر دیا جس کی بدولت ضلع کے ہر گاؤں میں یہ تحریک پھیل گئی۔ نظامی صاحب مرحوم ذوالقرنین میں مسلم یونیورسٹی کے فوائد، تعلیمی مذاق کو بڑھانے اور چندہ کی تحریک کو پرجوش بنانے پر مضامین کی بھرمار کرنے لگے جس کے اعتراف میں ہز ہائنس سر آغا خاں صاحب نے ۱۸ مارچ ۱۹۱۱ء کو بمبئی سے ولایت کو روانہ ہوتے ہوئے مندرجہ ذیل خط روانہ فرمایا:۔

"محمڈن یونیورسٹی کے متعلق جو سلسلۂ مضامین ذوالقرنین نے شائع کرنا شروع کیا ہے ہز ہائنس اس کو پسند فرماتے ہیں اور ذوالقرنین کی ان خدمات کا جو وہ اس عظیم الشان اسلامی مقصد کی امداد میں انجام دے رہا ہے شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

مولانا نظامی مرحوم نے اس گرامی نامہ پر ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کے ذوالقرنین میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا:۔

"ہز ہائنس جیسے مسلمہ قومی لیڈر کی طرف سے ایک اخبار کی خدمات کا اعتراف ضرور اس کی حوصلہ افزائی کے خیال سے ضروری تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ ایڈیٹر ذوالقرنین کو قومی خدمت پر زیادہ مستعد بنانے کے لیے اس قسم کی حوصلہ افزائیوں کی

مطلق ضرورت نہیں ہے نہ وہ کسی شکریہ کا مستحق ہے آج کچھ
نو سال قبل جب اس نے اس اہم قومی خدمت (اخبار نویسی)
کو اپنے ذمہ لیا تھا اس وقت اس نے اپنے خدا کے سامنے سچے
دل سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے فرائض کو دیانتداری سے
انجام دے گا اور قومی خدمت میں اپنے کو اس قدر محو کر دیگا
کہ اس کی شخصیت فنا ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت تک
باوجود چند در چند مشکلات پیش آنے کے وہ اپنے عہد پر قائم رہا۔

۱۲ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء کو لوکل کمیٹی محمڈن یونیورسٹی کا جلسہ ہوا۔
جس میں حاضرین جلسہ نے اپنے چندہ کی رقوم کا اعلان کیا۔ اسی جلسہ میں
وہ چٹھی جو ہز ہائینس آغا خان صاحب نے بہ شکریہ اڈیٹر صاحب ذوالقرنین
بھیجی تھی پیش ہوئی اور یہ تجویز باتفاق آراء پاس ہوئی کہ اڈیٹر صاحب
ذوالقرنین کا شکریہ ادا کیا جاوے کہ وہ یونیورسٹی کے متعلق قلمی خدمات
بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ تحصیل بسولی میں حافظ فضل اکرم صاحب کی کوششوں
کی بدولت مسلم یونیورسٹی فنڈ کی تحریک کامیاب ہو رہی تھی۔ ۱۳ مارچ کو
سہسوان میں سہ پہر کے وقت پیرسن کلب کے میدان میں زیر صدارت
میر ضیاء علی صاحب رئیس قاضی محلہ جلسہ ہوا اور حاضرین جلسہ نے اپنے
چندہ کا اعلان کیا۔ اس جلسہ کا یہ امر قابل ذکر ہے کہ سید عبد القیوم خلف
سید آل محمد شاہ صاحب جن کی عمر ۸ یا ۹ سال کی ہے بلا کسی تحریک کے
اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے والد سے اپنی طرف سے چندہ دینے کو کہا اس کے
بعد ان کے ہم عمر دو لڑکوں کو بھی تحریک ہوئی اور ان کی جانب سے بھی
چندے دیئے گئے یہ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ تحصیل گنور میں بھی وہاں کے

مسلمانوں نے جلسہ کو کامیاب بنایا۔

۱۳ اپریل ۱۹۱۱ء کو روہیلکھنڈ ڈویژن کے صدر مقام بریلی میں محمڈن یونیورسٹی کا ڈیپوٹیشن ۹ بجے دن کے پہونچا۔ بدایوں سے شیخ حبیب اللہ صاحب رئیس شیخوپور اور مولانا نظامی شریک ڈیپوٹیشن ہوئے۔ بریلی کا جلسہ بڑا کامیاب رہا۔ دو گھنٹہ کے اندر تین سو پچاس روپیہ نقد اور قریب ساڑھے گیارہ ہزار روپیہ کے چندہ کا اعلان ہوا۔

بدایوں میں یونیورسٹی فنڈ کے متعلق وقتاً فوقتاً جلسے ہوتے رہے شہر اور مضافات میں پمفلٹ اور اشتہارات کثرت سے جاری ہوئے۔ مسٹر سید محمد صاحب نے تمام قصبات کا دورہ کرکے ہر جگہ یونیورسٹی اسکیم کے متعلق جوش پیدا کر دیا تھا آخر اپریل میں کمیٹی نے یہ طے کیا کہ بدایوں میں بڑے پیمانہ پر جلسہ کیا جاوے اور نواب وقار الملک بہادر سے درخواست کی گئی کہ ڈیپوٹیشن کے ساتھ بدایوں تشریف لائیں۔ ۱۰ مئی ۱۹۱۱ء جلسہ کے لئے قرار پائی۔ خان بہادر شیخ انتظام الدین صاحب نے ڈیپوٹیشن کی مہمانداری اور آرائش استقبال وغیرہ کے تمام مصارف اپنے ذمے لئے جملہ ممبران لوکل کمیٹی نے نہایت محنت و جانفشانی اور سلیقہ کے ساتھ استقبال کی تیاریاں کیں۔ ڈیپوٹیشن کے ساتھ نواب وقار الملک بہادر بوجہ ناسازی طبع تشریف نہ لا سکے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں تشریف لائے۔ اسٹیشن سے شہر تک سڑکوں پر دو رویہ خوشنما جھنڈیاں لگائی گئی تھیں اور جا بجا دروازے بنائے گئے تھے جلسہ وقت مقررہ پر شروع ہوا جس کی مفصل کیفیت ذوالقرنین مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۱۱ء میں اس طرح پر دی گئی ہے۔ حسب

دو مشن اسکول میں ٹھیک ۸ بجے صبح کو جلسہ شروع ہوا۔ حافظ ظہور احمد صاحب

مختار نے کلام مجید کا ایک رکوع پڑھا۔ شیخ محی الدین حیدر صاحب رئیس کی تحریک مولوی فضل اکرم صاحب دتیا ئید خان بہادر احمد علی خاں صاحب پریسیڈنٹ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی ریٹائرڈ چیف جج ریاست حیدرآباد نے مختصر اسپیچ میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کو حاضرین سے متعارف کرایا اور ان کے محاسن بیان کئے پھر مولوی قاسم علی صاحب وکیل نے صاحبزادہ صاحب کا نہایت پرجوش الفاظ میں شکریہ ادا کیا اور مسلمانان بدایوں کی فراخ حوصلگی اور فیاضی سے اپیل کی۔ شیخ سید محمد صاحب آنریری سکریٹری کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں ان کوششوں کا جو ابتدا سے انعقاد جلسہ سے پہلے تک عمل میں آئیں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اس کے بعد صاحبزادہ صاحب سے مخاطب ہو کر اس شعر پر اسکو ختم کیا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

اس کے بعد صاحبزادہ صاحب کی تقریر شروع ہوئی اونھوں نے مسلم یونیورسٹی کے قیام کی ضرورت کو نہایت پرزور اور مؤثر الفاظ میں بیان فرمایا اور کہا کہ مسلمانوں کو اس وقت دو قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے اوّل تو مذہبی تعلیم دوسرے دنیوی تعلیم مسلمانوں کی دنیا مذہب کے ساتھ وابستہ ہے اور ان کی کوئی ترقی کبھی اصلاح بغیر مذہبی بنیاد کے نہیں ہو سکتی جیسے انسان کو اس دنیا میں رہنے کے لئے پتھر۔ مٹی۔ اینٹ۔ نباتات۔ حیوانات کی ساخت اور ان کے تعلقات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے تعلقات کا علم حاصل کرنے کے لئے کہ جو دراصل مذہبی

علم ہے اسے کس قدر اشد ضرورت ہے اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے آپ
نے فرمایا کہ یونیورسٹی سے ایسے لوگ پیدا کرنا ہیں جن کی بابتہ سرسید یہ فرمایا
کرتے تھے کہ دائیں ہاتھ میں فلسفہ اور بائیں ہاتھ میں سائنس اور سر پر لا الہ الا اللہ
محمد الرسول اللہ کا تاج ہو۔ دوسرا مقصد یونیورسٹی قائم کرنے سے یہ ہے
کہ علم کو علم کے لیے حاصل کیا جائے خواہ علوم جدیدہ ہوں یا قدیمہ آپ نے
ثابت کیا کہ فی زمانہ علوم قدیمہ بھی ہماری قوم سے مفقود ہیں مسلمانوں
کی صدہا سال کی کمائی جو یورپ اور امریکہ کے کتب خانوں میں پائی جاتی
ہے اور جس سے اقوام مغرب نفع اٹھاتی ہیں اس سے ہمارا ملک خالی ہے۔
اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم میں سے علم کا شوق علم کی عظمت بالکل مفقود ہو گئی
ہے اس کی وجہ کچھ تو ہماری سستی اور نکبت ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ علماء
اور مصنفین کو ان کی محنت اور خدمت کا معقول معاوضہ خواہ بہ شکل نقد آنہ
یا بہ شکل اعتراف و اعزاز نہیں ملتا۔ یونیورسٹی کے قیام سے یہ بڑا نفع ہوگا
کہ وہ جواہر جو اس وقت مختلف کانوں میں جن میں کہ ایک یہ ایوں کی کان بھی ہے
جس کی خاک سے بڑے بڑے جید عالم کسی وقت میں پیدا ہو چکے ہیں اور
جن کا پرتو ہم ان نوجوان بچوں کی نورانی شکلوں میں دیکھتے ہیں چھپے ہوئے ہیں
صیقل اور جلا کر کے دنیا میں نمودار ہوں گے جو ذہین اور طباع مسلمان اپنی
زندگی کا مقصد اعلیٰ مشاغل کو قرار دیں گے ان کو یونیورسٹی کی جانب سے
معقول معاوضہ مل سکے گا اس وقت نہ ہمیں سلطنت کی ضرورت ہے نہ بڑی
فوج کی نہ جنگی بیڑہ جہازات۔ ان سب باتوں کا انتظام ہماری گورنمنٹ
نے نہایت خاطر خواہ کر دیا ہے جس کے ہم شکر گزار ہیں ہمیں اس وقت
جس چیز کی ضرورت ہے وہ علم ہے۔ علم کی بدولت ہم نہ صرف اپنی گئی ہوئی

عظمت و شان حاصل کر سکتے ہیں بلکہ دنیا کی معزز اور نامور قوموں میں اسلام کو باوقار بنا سکتے ہیں علوم جدید کے متعلق فرمایا کہ اس تعلیم سے صرف ملازمتیں ملنا اور حکومت کے عہدے حاصل کرنا مقصود نہیں ہیں بلکہ ایسے عالم پیدا کرنا ہیں کہ جو نہ صرف اپنے ملک ہیں بلکہ دوسرے ملکوں کو بھی اپنی علمی طاقت سے مسخر کر سکتے ہیں۔ جس طرح جرمن ماہرین سائنس نے مصنوعی نیل بنا کر دنیا کی نیل کی تجارت کو نیست و نابود کر دیا اور کروڑوں روپیہ جو پہلے ہم ہندوستانیوں کو نیل کی تجارت سے حاصل ہوتے تھے اب اہل جرمن کی جیبوں میں جاتے ہیں اسی طرح فوٹوگراف کی حیرت انگیز ایجاد سے اہل امریکہ کو دنیا کے مختلف ممالک سے کروڑوں روپیہ کھچا چلا جاتا ہے حالانکہ ان مقامات میں نہ جرمن یا امریکہ کی فوجیں جاتی ہیں نہ ان کے جنگی جہاز جاتے ہیں اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بڑا مقصد اس یونیورسٹی سے یہ حاصل ہوگا کہ تمام مسلمانوں کی قوت ایک مرکز پر جمع ہو جائے گی جس کا عملی ثبوت اس وقت کے مجمع سے بھی ملتا ہے۔

اسکے بعد چندہ کی بوچھار شروع ہوئی کل چندہ کی میزان اٹھارہ ہزار چھ سو باسٹھ پر پہونچی۔ حافظ فضل الکریم صاحب نے اپنی تقریر میں تفصیل سے لوگوں میں تحریک چندہ کے جوش کا ذکر کرتے ہوئے ایک غریب کاشتکار کے جوش کا جس نے ایک بیگہ کھیت کا پیداوار یونیورسٹی کو دینے کا وعدہ کیا تھا نہایت خوبی سے کیا اور بتلایا کہ خدا کی قدرت ہے کہ باوجود اس کے کہ اس کھیت کے آس پاس کے کھیتوں میں ایک من فی بیگہ سے زیادہ کا پیداوار نہیں ہوا لیکن اس خاص کھیت میں فی بیگہ دو من کا پیداوار ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قادر کی مرضی ہے کہ مسلمانوں کا یہ عظیم الشان

کام ہوکر رہے گا۔ اس تقریر کا حاضرین پر بڑا اثر پڑا۔ اسقدر جوش پیدا ہوگیا تھا کہ اب سپیچ ختم ہونے کے کئی گھنٹہ بعد تک چندہ کا تار بندھا رہا اور حاضرین کی آمد جاری رہی جوق جوق لوگ چلے آتے تھے اور چندہ لکھا جاتے تھے جلسہ ختم ہوتے ہی والا تھا کہ شیخ شفیع الدین صاحب رئیس سگرام پور تشریف لائے اسوقت وہ سماں دیکھنے کے قابل تھا جبکہ مسٹر رحمان بخش قادری اور مسٹر محمد یوسف صاحب قادری مرحوم اور شیخ وحید احمد صاحب فاروقی طلبار علی گڈھ کالج موجودہ بدایوں نے اپنی ٹوپیوں کو اتار کر ان کے سامنے ڈالدیا تھا اور وہ و دیگر حاضرین ان سے ان کے موعودہ چندہ ایک ہزار کو المضاعف کرنے کا اصرار کر رہے تھے بالآخر شیخ صاحب نے ان قومی گداگروں کی استدعا کو قبول کیا اور اپنی رقم کو بجائے ایک ہزار کے ڈیڑھ ہزار کر دیا۔ اسی دوران میں شیخ سید محمد صاحب کے ہونہار بچے محمد احسن نے ایک پر اثر نظم پڑھ کر سنائی آخر میں صاحبزادہ صاحب نے شکریہ کی ایک مختصر تقریر کی جلسہ نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔" بدایوں کا جلسہ بہ مقابلہ بریلی عظیم الشان اور کامیاب جلسہ رہا۔

ذوالقرنین کی قومی خدمات خاص کر اس کے وہ مضامین جو مسلم یونیورسٹی کے متعلق شائع ہوئے قوم اور بزرگان قوم میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے عالیجناب نواب وقار الملک صاحب نے ایڈیٹر ذوالقرنین کے نام ایک گرامی نامہ بھیجکر اس کی حوصلہ افزائی کی انسٹیٹیوٹ گزٹ علی گڈھ نے جلسہ کے متعلق مفصل حالات درج کرتے ہوئے واقعات کے ساتھ ساتھ ان تمام حضرات کا جنھوں نے جلسہ کو کامیاب بنانے میں سعی کی تھی خدمات کا ذکر کیا ہے ذیل کا اقتباس اخبار موصوف کا ناظرین کتاب ہذا کے ملاحظہ کے لیے پیش کرتے ہیں:-

"منجملہ ان اصحاب کے جنھوں نے یونیورسٹی کی امداد میں حصہ لیا ہے خاص طور پر اعتراف کے مستحق مولانا نظامی بھی ہیں جو نہ صرف اپنے مشہور اخبار ذوالقرنین کے ذریعہ سے اس مقصد اعظم کی تکمیل میں مدد دیتے رہے ہیں بلکہ انھوں نے ڈپوٹیشن کو دعوت دینے اور اس کو کامیاب کرنے میں اپنے شب و روز صرف کئے۔"

مولانا نظامی جو اسوقت تک اپنا روپیہ، اپنا وقت، اپنا دماغ اور اپنی انرجی صرف قوم کی خاطر صرف کر رہے تھے اور مسلم یونیورسٹی کیلئے گراں قدر خدمات انجام دے رہے تھے ناممکن تھا کہ اس کا اثر ان کی اولاد پر نہ پڑتا، قومی اُمنگ اور جوش سے وہ گھر خالی رہتا۔ اس موقع پر اگر ہم ان خدمات کا جو مولانا کے فرزند سعید نے جو اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ اس قومی خدمات کے ماحول میں زیر تربیت تھے ذکر نہ کریں تو یہ ہمارا بیان نامکمل رہ جائے گا۔ مولوی احمد الدین صاحب اس وقت جبکہ بدایوں میں مسلم یونیورسٹی کی تحریک زور و شور سے چل رہی تھی گورنمنٹ ہائی اسکول کے درجہ ششم میں زیر تعلیم تھے آپ نے "عرس قادری بدایوں میں مسلم یونیورسٹی کے لیے میری ناچیز کوشش" کے عنوان سے جو مضمون تحریر کیا وہ ۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۱ء کے ذوالقرنین میں شائع ہوا ہے اسکو ہم بجنسہٖ ذیل میں درج کرتے ہیں اور ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات والی مثل کو صحیح ثابت کرتے ہیں اگر ہماری قوم کے بچے صحیح ماحول میں تربیت پائیں تو کیا کچھ قوم کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

"گزشتہ ہفتہ جبکہ میں خانگی کی سخت محنت اور امتحان کے تفکرات سے فارغ ہو چکا تھا مجھ کو معلوم ہوا کہ ہمارے شہر میں حضرت مولوی مولانا محمد عبد القادر صاحب بدایونی رحمتہ اللہ علیہ کا عرس ہونے والا ہے

میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ تعطیل کے کچھ ایام دوسرے
شغل میں گزاروں اور وہ شغل مفید بھی ہو چنانچہ مہتمم صاحبان
عرس کو ایک ایسی دوکان کی جس میں سامان ریفریشمنٹ حاضرین
عرس کے لیے جمع ہو ضرورت محسوس ہو رہی تھی میں نے ارادہ کیا کہ
میں اس ضرورت کو پورا کروں چنانچہ میں نے اپنے والد صاحب
(مولوی نظام الدین حسین صاحب ایڈیٹر ذوالقرنین) سے اس خیال
کو ظاہر کیا انھوں نے مجھکو نہایت خوشی کے ساتھ اجازت دیدی
اس کے بعد میں نے جناب حکیم مولوی عبد الماجد صاحب قادری
مدظلہٗ مہتمم عرس شریف سے اجازت چاہی انھوں نے بھی نہایت
خوشی کے ساتھ مناسب موقع دوکان کے واسطے عطا فرمایا اور ساتھ
ہی اس کے ایک راؤٹی بھی اس موقع پر نصب کرا دی میں ان
کی اس مہربانی کا بہت ممنون ہوں اس دوکان کو صرف ۸ر روپیہ سے
شروع کیا تھا۔ دوکان میں برف۔ لیمونیڈ۔ سگریٹ بسکٹ وغیرہ
مہیا تھے۔ عرس ۱۴ لغایتہ ۱۸ مئی رہا شہر کے لوگوں کے علاوہ باہر سے
بھی بہت سے مہمان آئے تھے کل نفع للعہ ہوا۔ یہاں پر ایک امر بھی
گزارش کرنا ضروری ہے کہ جملہ اشیا تجارتی اصول پر فروخت
کی گئی تھیں کسی سے یہ کہہ کر کہ اس دوکان کا نفع کسی قومی کام میں لگے گا
کوئی خاص قیمت بطور چندہ کے چارج نہیں کی گئی تھی۔ مولوی
حبیب احمد صاحب بدایونی، منشی فیض الحسن صاحب سہارنپوری
مسٹر رحمان بخش صاحب قادری نے مجھے ہر قسم کی مدد دی اور سچ
تو یہ ہے کہ اگر ان لوگوں سے مدد نہ ملتی تو دوکان کا چلانا ناممکن

ہوتا۔ میں نے پانچ شب و روز درگاہ قادری کے دروازہ پر راؤٹی کے نیچے بسر کئے۔ ماہ مئی کی لو اور گرمی کے سبب دن میں سخت تکلیف ہوتی تھی جس سے بعض وقت طبیعت گھبرا جاتی تھی لیکن پھر خیال آتا تھا کہ جب ہمارے بزرگ ہماری ترقی تعلیم کیلئے اس سے زیادہ تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں تو ہم بچوں کو کسی تکلیف کا ہرگز خیال نہ کرنا چاہیئے۔ غرض مجھ کو میرا یہ خیال ہر وقت مستقل بناتا رہا۔ شام کو جب لو اور سورج کی گرمی دور ہو جاتی تھی تو اچھا لطف رہتا تھا اور زیادہ تر ہماری بکری کا بھی وہی وقت ہوتا تھا۔ میں نے علاوہ نقد نفع کے جس کی تعداد اوپر لکھی جا چکی ہے اس دوکان سے حسب ذیل نتیجے حاصل کئے:-

(۱) روپیہ سخت محنت سے پیدا ہوتا ہے۔

(۲) تجارت میں بڑی ایمانداری کی ضرورت ہے۔

(۳) اگر تاجر میں مستقل مزاجی نہ ہو تو ان کو بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے۔

(۴) منیجر یا مالک کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ خود بھی محنت کرے اور نوکروں سے کام لینے کا ملکہ بہم پہونچائے۔ کیونکہ نوکروں سے کام لینے کے لئے خاص قابلیت کی ضرورت ہے۔ آخر میں پھر عالیجناب حکیم مولوی عبدالماجد صاحب اور مولوی ثناء اللہ بخش نادری رئیس بدایوں کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے علاوہ ہر قسم کی ذاتی آسائش کے خیال کہ ہماری دوکان کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ خدا ایسے بزرگان قوم کو ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔ نوٹ۔ للعجہ بدایوں لوکل کمیٹی کے آنریری سکریٹری شیخ سید محمد صاحب کی خدمت میں بھیجدیے گئے؟

باب سوم

اقتصادی تحریک

مسلمانوں کی مالی پستی مولانا نظامی مرحوم نے مسلمانوں کی جو اقتصادی خدمت کی وہ بیش بہا قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ نظامی صاحب مرحوم نے اس تحریک میں کیا کام کیا اس کا ذکر کرنے سے پہلے کہ اس تحریک کی ابتدا کس طرح پر ہوئی اور کس طریقہ سے چلائی گئی اس کا مختصر حال بیان کیا جاتا ہے۔

مولانا طفیل احمد صاحب مرحوم سب رجسٹرار تھے اور اس عہدہ کے فرائض ادا کرنے کے سلسلہ میں ان کی توجہ ایک نئی اہم ضرورت کی طرف منعطف ہوئی مولانا کے سامنے ہزارہا دستاویزات بیعنامہ جات اور کفالتی قرضہ جات کی ایسی آتی تھیں جن میں مسلمانوں کی بڑی جائدادیں دوسرے اشخاص کے ہاتھ بیع ہوئی تھیں یا کفالتی قرضوں میں مکفول ہوتی تھیں۔ وہ فرماتے تھے کہ باوجود کوشش اور سمجھانے کے قرضدار یہ نہ سمجھتے تھے کہ سود کا کیا مطلب ہے قرضہ لینے کے بعد اس کی ادائیگی کی بھی کوئی صورت نکل سکے گی یا نہیں۔ سود در سود سالوار و ششماہی وار کا بھی فرق نہ سمجھتے تھے۔ ان واقعات کا مولانا پر بہت اثر ہوا۔ ان کو اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو روپیہ کی قیمت اور اس کے موجودہ زمانے کے استعمال

کا کچھ اندازہ نہیں ہے۔ نہ روپیہ کو محض واقعی یا خیالی ضروریات کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے اس کی قیمت یا روپیہ سے روپیہ پیدا کرنے کا خیال اس کے دماغ میں نہیں آسکتا۔ نہ اُسے حال کی تجارت کا دارومدار روپیہ کی قیمت سمجھنے پر ہے۔ قوم کی زبوں حالی کے اس دردناک منظر سے مولانا کے دل میں تشویش پیدا ہو گئی۔ وہ مسلمانوں کی مالی اصلاح کے مسئلہ پر غور کرنے لگے چنانچہ اس کا ذکر اپنے دوستوں سے کیا اور کئی ماہ تک برابر ان کے سب دوست اس مسئلہ پر غور و خوض کرتے رہے کہ آخر مسلمانوں کو اس قرض اور سود کے پھندے سے کس طرح نکالا جائے بالآخر یہ طے ہوا کہ اس مسئلہ کو بذریعہ مضامین اور چھوٹے چھوٹے پمفلٹ لکھ کر عام مسلمانوں تک پہنچایا جائے اور اس کے علاوہ ان کو سادہ زندگی بسر کرنے اور فضول خرچی سے بچنے کی تعلیم دی جائے چنانچہ مولانا موصوف نے سنہ ۱۹۲۴ء میں ایک رسالہ "مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل" شائع کیا جس میں تجارتی، اقتصادی اور کاروباری کامیابی کا راز بتلایا گیا۔ مسلمانوں کو تباہی اور بربادی کے گرداب سے نکالنے کی تدابیر پیش کی گئیں سنہ ۱۹۲۴ء میں یہ رسالہ جواز سود کے نام سے نظامی پریس میں چھپوا کر نظامی صاحب نے شائع کیا اور اس کے بعد جواز سود موقوف اور ایک اور رسالہ مسلمانوں کی مالی اصلاح پر ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر شائع کیا۔

اس سلسلہ میں ایک پمفلٹ "سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان" لکھا جس میں نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کی زبوں حالی کا ذکر کیا ہے بلکہ عالم اسلام کی مالی پستی اور اس کے نتائج پر ایک مفکرانہ نظر ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک اعلیٰ تعلیم میں ناکامی، ثانوی تعلیم میں ناکامی، دینی تعلیم میں ناکامی، اشاعت اسلام میں ناکامی، قومی اخلاق کی پستی غرض کہ زندگی کے ہر شعبے کے تنزل کی بنیاد

صرف یہ تھی کہ مسلمان کے پاس سرمایہ نہیں ہے اور وہ سرمایہ داروں کا غلام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا افلاس دور کرنے کے لیے جو رائے مولانا طفیل احمد صاحب نے قائم کی تھی وہ ان کے اس گہرے مطالعہ کا نتیجہ تھی جو انھوں نے مغربی ممالک کے عوام کی ترقی اور روز افزوں خوشحالی اور تجارت وصنعت کے جائزہ بنظر یوں کے بارے میں کیا تھا۔ ہندوستان کی دیگر اقوام کے لیے اس معاملہ میں پیش قدمی کی تھی اس سے بھی مولانا مرحوم متاثر ہوئے تھے جیسا کہ ذیل کے اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے جو مولانا کے مشہور رسالہ "سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان" سے کیا گیا ہے۔

"یہودیوں، پارسیوں اور ہندو وں سب نے مصیبت کے زمانہ میں سادگی، کفایت شعاری اختیار کر کے اس زمانہ میں سرمایہ داری حاصل کی جبکہ وہ شرط زندگی نہ تھی اس کی بدولت خود داری کی زندگی بسر کی اور اب دولت کی افزائش کے ساتھ ساتھ ہر قدم سود راج کی طرف بڑھا رہے ہیں مسلمانوں پر سخت وقت ایسے زمانہ میں پڑا جبکہ سرمایہ داری نہ صرف مغلوب قوموں کے لیے بلکہ غالب اور حکمران قوموں کے لیے بھی شرط زندگی ہوگئی ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو اپنی قومی بقا کے لیے بجز اس کے چارہ نہیں کہ وہ اپنے ہر ہر فرد کو سرمایہ پیدا کرنے اور اسے بڑھانے کے طریقے اختیار کرنے میں مصروف کردیں اس سے ان کے دینی اور دنیوی دونوں کام چلیں گے ان کے عبادت خانے بارونق ہوں گے ان کی درگاہیں مکمل ہوں گی غرض کہ وہ دنیا میں عزت اور خودداری کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوں گے۔"

الغرض مولانا طفیل احمد اور نظامی صاحب جب آپس میں ملتے تو اسی مسئلہ پر غور وخوض ہوا کرتا اور برسوں یہ دونوں بزرگ اسی کام میں منہمک رہے

آخر میں جب بہت سے پمفلٹ اور کتابیں شائع ہو چکیں تو یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست کرنے کے لیے ایک مستقل رسالہ جاری کیا جاوے۔

۳۔ رسالہ سود مند۔ چنانچہ جون ۱۹۲۳ء سے ماہوار رسالہ سود مند علی گڈھ سے جاری کیا گیا جو کچھ عرصہ تک خان بہادر سید جعفر حسن کی ادارت میں شائع ہوتا رہا ۱۹۲۶ء میں جب مولانا طفیل احمد نے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی تو انھوں نے اس رسالہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آزادی کے ساتھ قومی خدمت کے لیے میدان میں آ گئے۔ سود مند کی ایڈیٹری کا چارج لے کر مقام اشاعت علی گڈھ سے بدایوں کو منتقل کر دیا مولوی احیاء الدین صاحب کو چونکہ ابتدا سے تجارت اور اقتصادیات سے دلچسپی تھی اس لیے اس کی ایڈیٹری کا بار ان کے سر پر رکھا گیا۔ اور بدایوں سے یہ رسالہ ان کی ایڈیٹری میں بڑی آب و تاب سے نکلنے لگا۔ مولانا نظامی صاحب جو اب تک اقتصادی تحریک میں بڑا حصہ لے رہے تھے اب قریب قریب بالکل اس کے انچارج ہو گئے رسالہ سود مند میں ان کے مضامین اور نظموں سے چار چاند لگنے لگے۔

مندرجہ ذیل نظم میں نظامی صاحب نے قومی حالت پر کس قدر موثر انداز میں اظہار خیالات کیا ہے :-

شومیٔ قسمت سے آبادی ہمیں ویرانہ ہے　　　خون دل پانی ہے رنج و غم ہمارا کھانا ہے
سبزۂ بیگانہ نے ڈھانکا ہے سارے صحن کو　　　یہ ہمارا گھر ہے یا صحرا ہمیں کا ویرانہ ہے
ہیں وطن میں بے وطن اُف رے ہماری بیکسی　　　یہ ہمارا گھر کہ وہ غیروں کا عشرت خانہ ہے
علم و فن رخصت ہوئے صنعت ہماری چھن گئی　　　ہاں ہمیں ہے حوش کر کیونکر کھلائے خانہ ہے
بھاگتی ہے ہم سے دولت کل جو تھی ہم پہ فدا　　　آج اس کمبخت کا انداز معشوقانہ ہے

بیتاب بھی اپنے نہیں یا ز ابھی اپنے نہیں　　　کسب زر کا جو عمل ہے ہم سے وہ بیگانہ ہے
ظاہراً دیوانگی کو اہل دنیا کچھ کہیں　　　قوم کا دیوانہ لیکن عاقل و فرزانہ ہے
مٹ گئی ہے قوم لیکن دل ابھی مردہ نہیں　　　کچھ نہیں پلے مگر ہمت ابھی مردانہ ہے
ہے یہ اک نوحہ نظامی کے دل پر درد کا　　　ورنہ اسکو ادعائے شعر گوئی تھا نہ ہے

مالی اصلاح کی یہ تحریک ۱۹۲۶ء میں اس منزل پر پہونچ چکی تھی کہ اسکے حامیوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس غرض کے لیے ایک کانفرنس منعقد کی جاوے۔ چنانچہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء کو سود مند کانفرنس کے نام سے پہلا اجلاس دہلی میں نہایت کامیابی سے منعقد ہوا۔ آئندہ جب ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس ہوا کرتے تو مولانا نظامی صاحب کی تحریک پر سود مند کانفرنس کے اجلاس کے لیے بھی ایک وقت دیا جاتا جس میں تمام مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے سدھار کے متعلق تقریریں کی جاتیں اور نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔ کئی سال تک سود مند کانفرنس کے اجلاس مختلف مقامات پر ہوتے رہے۔ اس طرح سے مسلمانوں کی مالی اصلاح کی کوششیں اخباروں کے ساتھ ساتھ پلیٹ فارم پر بھی جاری رہیں ۱۹۳۲ء تک سود مند کی تحریک مسلمانوں میں اچھی طرح مکمل چکی تھی اور آئندہ اسکو چلانا نہ رسالہ سے چلانا غیر ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ رسالہ سود مند ۱۹۳۲ء میں بند کر دیا گیا۔ اس طرح مولوی احمد الدین صاحب کی ایڈیٹری میں رسالہ سود مند نومبر ۱۹۳۲ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد یہ تحریک بھی ذوالقرنین کے ذریعہ چلتی رہی اور سود مند کو اخبار ذوالقرنین میں شامل کر کے اقتصادی مضامین کے لیے ایک کالم علاحدہ مخصوص کر دیا گیا۔ باوجود اس کے اس زمانہ میں سود مند کے مضامین کی مقبولیت اس درجہ بڑھی ہوئی

تھی کہ اس کے پرانے رسالوں کی مانگ جاری تھی۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے پرانے رسالوں کے اہم مضامین یکجا کر کے "مضامین سود مند" کے نام سے ۱۹۳۶ء میں شائع کر دیئے گئے۔

اسی طرح رسالہ سود مند میں حفظانِ صحت کے جو مضامین شائع ہوا کرتے تھے اون کی اہمیت اور فائدہ کے اعتبار سے اون کو ۱۹۴۴ء میں یکجا ایک کتاب کی صورت میں "صحت و تندرستی" کے نام سے شائع کر دیا گیا۔ چنانچہ یہ کتاب کافی بہت مقبول ہوئی صوبہ متحدہ کی سرکاری لائبریریوں کے لیے اس کے نسخے خریدے گئے۔

۳- کامیابی کے بعد کے حالات

سنہ ۱۹۲۰ء میں مسلمانوں کی مالی اور اقتصادی اصلاح کی جو تحریک شروع کی گئی تھی اس کی شروع شروع میں جو مخالفتیں ہوئیں اور سود کی تحریک کے خلاف جو جذبہ مسلمانوں میں ایک مرتبہ اٹھا وہ رفتہ رفتہ صبر و استقلال کے ساتھ تحریک کو جاری رکھنے پر کم ہوتا گیا بالآخر اس تحریک کا ملک کے گوشہ گوشہ میں خیر مقدم کیا گیا۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ کامیابی کے ساتھ انسان کا دماغ شروع کی دقتوں اور کوفت کو بھول جاتا ہے یہی اس تحریک کے ساتھ ہوا۔ اب مسلمانوں میں تجارتی سود بینک کے سود کا ہوا تا تخیل ختم ہو چکا ہے۔ زندگی کا بیمہ جو شروع میں مسلمانوں نے اسپین میں چلایا تھا اور جس کو ہمارے زمانے کے مسلمان حرام سمجھنے لگے تھے وہ پھر مسلمانوں میں ہر دلعزیز ہوتا جاتا ہے اس تحریک میں جو تکلیفیں اٹھائیں اور ان سے جو فائدہ مسلم قوم کو ہوا وہ مولانا طفیل احمد صاحب و مولانا نظامی صاحب اور ان کے رفقا کار کا ایک بڑا کارنامہ ہے جس کے لیے مسلم قوم ان کی شکر گزار ہے۔

باب چہارم

سیاسی جدوجہد

۱۔ سیاست سے دلچسپی نظامی صاحب مرحوم کی زندگی کا مختصر سے مختصر خاکہ بھی ان کی سیاسی جدوجہد کے تذکرہ کے بغیر نامکمل رہ جائے گا یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کی اصلی جدوجہد تعلیم تک محدود تھی اس وقت کا تخیل یہ تھا کہ سیاسیات کا نتیجہ حکومت وقت کے ساتھ ٹکر لینا ہے اور اس حیثیت سے مسلمانوں کے لیے جو عرصہ دراز تک سیاسی مصائب کا شکار رہ چکے تھے اور تعلیم میں نئی حکومت کے آغاز اور اس کے زبان کی تبدیلی کرنے کی بدولت بہت پیچھے رہ گئے تھے چارہ کار یہ تھا کہ پہلے اپنی تعلیم کو باعانت سلطنت پورا کریں اس کے بعد سیاست کی طرف رخ کریں۔ اس وقت حکومت وقت کا منشا بھی یہی تھا چنانچہ اس اصول پر شروع سے مسلمان چلتے رہے لیکن تبدیلی حالات زمانہ نے تھوڑے ہی عرصہ بعد حکومت وقت کو اس امر کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ مسلمان بھی سیاست میں حصہ لیں تاکہ دوسری اقوام کے بے لگام سیاسی مطالبات پر وہ روک اور لگام کا کام دے سکیں۔ پس مسلمانوں کو سیاسیات میں حصہ

لینے کے لیے خود حکومت نے توجہ ہی نہیں کی بلکہ آمادہ کیا ظاہر بات ہے کہ مسلمان سیاسیات میں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل کر حصہ لیتے تو پھر گورنمنٹ کو ان سے کیا سہارا مل سکتا تھا بقول شخصے ۔

ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد

اس لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمانوں کی سیاسی جد و جہد اپنے ہم وطنوں کے مقابلہ میں ہو یعنی گورنمنٹ جو حقوق رعایا کو دینے کے لیے تیار ہو اس میں مسلمانوں کا حصہ بانٹ دے اور اس تقسیم میں ان کی سیاسی خاص بات اور ملکی اہمیت کا بھی لحاظ رکھے۔ اس اصول کو گورنمنٹ نے سنہ ۱۹۰۶ء میں تسلیم بھی کر لیا۔ اس طرح مسلمانوں کی بات کا رخ گورنمنٹ کے خلاف ہونے کے بجائے کم و بیش اپنے ہم وطنوں کے خلاف ہو گیا۔ مگر رفتہ رفتہ بیرونی ممالک بالخصوص ممالک اسلامیہ اور بین الاقوامی حالات کی بنا پر مسلمانوں کو گورنمنٹ اس راستہ پر قائم نہ رکھ سکی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سنہ ۱۹۲۰ء میں جو خلافت کی تحریک چلی تو ہندو مسلمانوں کا عارضی اشتراک عمل ہو گیا اور ہر دو اقوام کی مخالفت کا رخ گورنمنٹ کے خلاف ہو گیا۔ خلافت کی تحریک ٹھنڈی ہونے پر اس کا ردعمل تحریک شدھی سنگھٹن اور تبلیغ کی شکل میں ظاہر ہوا جس میں گورنمنٹ کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ جب مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلاف کی خلیج بڑھنے لگی تو گورنمنٹ کو سہارا ملا۔ ۱۹۱۹ء کے نئے آئین کے ماتحت جو صوبہ جات میں کونسلیں اور مرکزی اسمبلی بنائی گئی تھی اس میں پھر ہندو مسلمانوں کے اکھاڑے لگے یہی وہ زمانہ ہے جب سے نظامی صاحب نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی۔

۲- سنہ ۱۹۲۴ء کے بعد سے | مولانا نظامی کے دیرینہ اور مخلص دوست خان بہادر مولوی فصیح الدین صاحب ریٹائرڈ کلکٹر جب سنہ ۱۹۲۳ء میں صوبہ کونسل

کے ممبر نامزد ہوئے تو نظامی صاحب کا رجحان مولوی صاحب موصوف کی وجہ سے سیاسی کاموں کی طرف اور زیادہ ہو گیا اور اس کے بعد ۱۹۲۶ء میں ان کے دوسرے دوست صادق مولوی طفیل احمد صاحب بھی ملازمت سے پنشن پا کر صوبہ یو۔پی کی کاؤنسل کے ممبر ہو گئے تو نظامی صاحب و خان بہادر مولوی فصیح الدین صاحب کی سیاسی سرگرمیاں عارضی سے مستقل ہو گئیں ان احباب ثلاثہ کی ایک چھوٹی سی جماعت سیاسیات میں اپنے وقت کا بیشتر حصہ صرف کرنے لگی۔ اگرچہ خان بہادر مولوی فصیح الدین کا سیاسیات میں نقطۂ نظر مولوی طفیل احمد اور مولانا نظامی صاحبان سے کچھ مختلف تھا مگر ان حضرات کا تمام تر کام نیک نیتی سے ملک و قوم کی فلاح و بہبود پر مبنی ہوتا تھا اس لیے ان کا کوئی اثر ان کے تعلقات اور باہمی مشوروں پر کبھی نہ پڑا۔ مولانا طفیل احمد صاحب اور مولانا نظامی صاحب برابر ایک راستہ پر گامزن رہے۔

۳۔ سائمن کمیشن ۱۹۲۸ء میں یو۔پی کاؤنسل کا اجلاس نینی تال میں ہو رہا تھا تو اس زمانہ میں سائمن کمیشن کے ساتھ اشتراک عمل اور مقاطعہ کا معاملہ بھی کونسل کے سامنے پیش تھا۔ اس زمانے میں وزراء میں سے ایک کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک بھی درپیش تھی۔ فی الواقع صوبجات میں ۱۹۱۹ء کی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی اصلاحات بھی عجیب و غریب قسم کی تھیں۔ امور منتقلہ تھے جن کے انچارج وزراء تھے کچھ امور غیر منتقلہ تھے جن کے انچارج گورنر کی اگزیکیٹو کاؤنسل کے ممبران تھے لیکن عملاً وزراء کا دارومدار بھی گورنمنٹ کے ووٹوں پر ہی تھا۔ وزراء کو ایک طرف تو گورنمنٹ کے نامزد کردہ ووٹوں کا سہارا تھا دوسری طرف ان ووٹران پر مدار تھا جنکو وہ اپنی ہم خیالی کی بنا پر یا لحاظ و مروت کی وجہ سے یا خطاب اور افسران کی خوشنودی مزاج کے خیال سے یا ان کے عزیزان

بچوں کے لیے ملازمتوں اور مالی امداد کی بنا و پر اپنے ہاتھ لا سکتے تھے۔ وزراء کی جانب سے ممبران کے قیام کا انتظام۔ کھانوں اور پارٹیوں کا بندوبست اچھے پیمانوں پر ہوتا تھا۔ ممبروں کی لکھنؤ کی آمد کے سلسلہ میں بعض وزراء کی جانب سے ممبروں کا ایسا استقبال ہوتا تھا جیسا کہ بعض اوقات تقاریب میں ہوتا ہے۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ستمبر کا زمانہ تھا اور نینی تال میں اس زمانہ میں ان معرکۃ الآرا تحریکوں کے باعث ممبروں اور ان کے ساتھیوں کی بہت پوچھ گچھ اور آؤ بھگت ہوتی تھی۔ بعض اضلاع کے مقامی افسران متعلقہ وہاں کے مقامی ممبروں پر اثر ڈالنے کے لیے آئے تھے۔ اُس زمانہ میں نظامی صاحب مرحوم بھی نینی تال ہی مقیم تھے اون کو شدت کا بخار ہو گیا۔ بخار کی حالت میں نظامی صاحب مرحوم کا کیا شغل تھا نہ پارٹیوں کی طرف رغبت تھی نہ جلسوں میں شرکت۔ بخار کی حالت میں لیٹے لیٹے حصول ڈومینین اسٹیٹس کے متعلق ایک نہایت دردانگیز اور موثر نظم تحریر کی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ یہ غزل مشاعرہ کونسل چیمبر کلب نینی تال منعقدہ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۸ء میں پڑھی گئی۔

(از نظامی بدایونی)

یہ ہم سے آرزو کی ہند کے پارینہ فخر کی
تجھے الٹو تو پیدا ہوں ابھی شور محشر کی

کہاں ہے فلسفہ بدھ کا کہاں عرفان جمیری
حریفوں نے تجھے دی ہیں گردشیں مینا و ساغر کی

تڑپنے کی اجازت ہے نہ مر جانے کی رخصت ہے
یہ ہم سے چپکے چپکے کہہ رہی ہے چھیڑ نشتر کی

کہاں ہیں کاریگر اب مفلسی کا دور دورہ ہے
نہ صنعت ہے نہ حرفت ہے کہیں وہ بارشیں زر کی

ہر اک پیشہ ہے تجارت بند نکلا ہاتھ سے اپنے
درآمد میں برآمد میں ہمیں چوٹیں برابر کی

گلہ اغیار سے کیا ہم جو اس حالت کو پہنچے ہیں
لڑے آپس ہی میں ہم نے نہ دیکھی حالت اپنی ابتر کی

ایک امریکہ کی مس نے طعنہ زن ہم پر کیا مستانہ — وہ نکتہ چیں ہو غیروں کی تو کچھ شکوہ نہ ہو گھر کی
بہت سا سودا آپ کے لڑ کر گلے سے اپنوں کے چھڑا کر — لکھے ایسے بیان میں کہ لو یہ ہے آواز خنجر کی
نہ قربانی پہ قصہ ہو نہ باجے کا قضیہ ہو — ہو یکجا دل ہیں عزت چرچ کی مسجد کی مندر کی
ادھر آؤ کہ بس یہ قصے چھوڑ دو روز کے جھگڑے — مذاہب کی محبت میں ملاوٹ کچھ نہ ہو شر کی
سنا ہے تم نے آزادی کبھی مانگے سے ملتی ہے؟ — بنو تم اہل اس کے پھر ملا قدر جوہر کی
وہ دن آئے کہ قدرت مہرباں ہو، کی ہو دور مشتاق — ہمارا کوشش ہو یکجا کی، یہی کوشش ہو رہبر کی
ہمیں ایسے نمایندوں کی اصلا کچھ نہیں حاجت — ہو دل ان کا سنگ جن کا وہ دکھی ہو ٹھوکر کی
وہ رہبر کیا جو اندھا دھند پیرو ہو انہیں کے سمجھے — چلیں پیچھے اسی کے سب یہی خواہش ہو لیڈر کی
کبھی وہ دن ہو تو آیا دیوں جیسی حکومت ہو — کہ جو ہم حسن میں جو پایا کہ دل افروز منظر کی
سنا ہے راہ میں خطر کہیں ویرانہ ان بیٹھے ہیں — نگاہیں منزل مقصد پہ کہ کھو جائیں نہ رہبر کی

نظامی پھر زمیں پر سنا ہے وہ جلوہ گاہیں ہوں
کہ شرمندہ ہو گردوں پر نمائش بزم اختر کی

اس نظم نے سامعین سے خراج تحسین حاصل کیا۔

غرض کہ ان کو راستہ سے ہٹانے کے لئے ظاہری سہولتیں۔ آرام اور ترغیبات کافی نہ تھیں۔

آپ نے اپنے اخبار میں "ہندوستان اور سائمن کمیشن" کے عنوان سے ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو ایک افتتاحیہ لکھا جس کی نقل درج ذیل کی جاتی ہے مضمون مذکورہ سے نظامی صاحب کے اس وقت کے خیالات کا کافی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ہندوستان اور سائمن کمیشن

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

باب چہارم

"ہندوستان عرصہ دراز تک اجنبی بیوروکریسی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہا وہ اپنی مرضی کے مطابق اس کو جنبش میں لاتی رہی۔ تاہم روایات کے نقش و نگار مٹنے سے باشندگان ملک چونک پڑے اور ان کو اچھی طرح علم ہو گیا کہ انگلستان میں جو ہماری قسمت کا فیصلہ ہوتا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہاں کے اہل الرائے کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں ان میں برطانوی نقطہ نگاہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اینگلو انڈین اخبارات ہمیشہ آزادنگاری کی ڈینگیں مارتے رہتے ہیں لیکن انھوں نے جب کبھی انگلستانی پبلک کے روبرو ہندوستانی واقعات کا گلدستہ پیش کیا ہے تو اس کے پھولوں سے ملوکیت پرستی کا رنگ نمایاں ہوا ہے۔ دور حاضرہ میں پایونیر نے کسی قدر اپنی روش کو تبدیل کیا ہے اور وہ نیم سرکاری اخبار ہونے کی بجائے ہندوستان کی حمایت میں دھیمی آواز اٹھانے لگا ہے۔ مگر پھر بھی انگلینڈ اہل ہند کے صحیح جذبات سے ناآشنا ہے بقول مسٹر برنارڈ ہاٹن واقفیت کا جزو اعظم ہے تو یہ ہے کہ "ہماری قوم توپ و تفنگ سے دوسروں کی آزادی غصب کیے ہوئے ہے"۔ سائمن کمیشن کی آمد سے ہندوستان کا باہمی عناد ایک حد تک دور ہو گیا ہے۔ اور تحریک ملکی جو خوابیدہ ہو گئی تھی پھر بیدار ہوئی ہے جس کے نتائج امید افزا معلوم ہوتے ہیں زمانہ موجودہ میں آزادی کا خوشنما مرقع ہماری نگاہوں میں پھر رہا ہے۔ دستور اساسی ہند کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتصادی اور معاشرتی غلامی کی زنجیریں توڑنے کے واسطے یہ ایک زبردست آلہ ہے جس کے فوائد سے کوئی فرقہ اور کوئی قوم محروم نہ رہے گی۔ اب پلیٹ فارم پر تقریریں کرنے کا وقت نہیں ہے ہندوستان کی صنعت و حرفت و تجارت و تہذیب و تمدن کو معراج کمال پر پہونچانے کے لئے قوموں کے درمیان ایسا اتحادی جذبہ پیدا کیا جائے جو امن و اخلاق کے اوصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیاسی منزل میں رہروؤں کو گرم رواں

بنائے اور اس طریقہ عمل سے صحیح معنوں میں ملک و قوم کی رہنمائی ہو سکے۔
ہندوستان میں اگر کوئی چیز سائمن کمیشن کا ترکی بہ ترکی جواب ہو سکتی ہے تو وہ
نہرو کمیٹی کی رپورٹ ہے جس میں حکومت خود اختیاری کا نظام ہندوستان کی موجودہ
حالت کو ملحوظ رکھ کر پیش کر دیا ہے اور نہایت قابلیت سے موجودہ طریقہ کو بدل
دیا ہے پہلی مرتبہ انگلستان کی پارلیمنٹ کے چند ممبر سائمن کمیشن کا قالب اختیار کرکے
سرزمین ہند پر اس لیے رونق افروز ہوئے تھے کہ وہ خود حکومت کی جانچ پڑتال
کریں اور تمام واقعات سے پارلیمنٹ کو اطلاع دیں۔ چونکہ اس میں کسی ہندوستانی
ممبر کو بھی نہیں لیا گیا جس کی وجہ سے تمام ملک میں ناراضی پھیل گئی اور سیاستدانوں
نے کمیشن کی موجودہ رفتار پر نظر ڈال کر یہ نتیجہ نکالا کہ انگلستان کا یہ نظریہ ہے
کہ ہم تم پر حکومت کرتے ہیں تم ہمارے ماتحت ہو اور تمہارے معاملات کا فیصلہ بھی
ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیے آزاد خیال پارٹیوں نے کمیشن کے تقرر کو اپنی توہین
خیال کیا کیونکہ وہ ہندوستان جو تاریخی عظمت کے اعتبار سے دنیا کے تمام
ملکوں پر فوقیت رکھتا ہے ایک چھوٹے سے جزیرہ کے باشندوں کا اتفاقیہ
حکمراں بن کر یہ دعویٰ کرنا کہ اتنی بڑی آبادی کا فیصلہ ہم اپنے ہاتھ سے کریں گے
واقعی ہندوستان کے لیے ذلت اور توہین ہے۔ تاریخ کے اوراق الٹنے
سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن حکومتوں نے اپنی مرضی کے مطابق قوانین نافذ کر دیئے
ہیں اور ان میں باشندگان ملک کے نمائندوں کو شریک نہیں کیا ہے تو ان کو
ضرور سرنگوں ہونا پڑا ہے۔ ناعاقبت اندیش مشیروں کی رائے سے کاربند
ہو کر انگلستان کو بھی تلخ تجربہ ہو چکا ہے اور ممالک متحدہ امریکہ کا بڑا رقبہ اس کے
ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ امریکن رعایا اور حکومت انگلستان میں ناخوشگوار تعلقات
پیدا ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ پارلیمنٹ میں امریکہ کے نمائندوں کو شریک نہیں

کیا گیا تھا۔ ہمیں امید ہے کہ ہندوستان کی موجودہ تاریخ میں ایسا وقت
نہ آئے گا اور اس کو نو آبادیوں جیسی حکومت دے کر زیر سایہ برطانیہ ہر قسم
کی ترقی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اور سائمن کمیشن ہندوستان کے حقیقت پسندوں
کی رایوں کو ٹھکرا دے گا اور سمجھ لے گا کہ اس کے ساتھ جو ہندوستانی اشتراک
عمل کا دم بھرتے ہیں وہ وہی ہیں جو سیاسی امور میں ملک و قوم کی نمائندگی کرنے
کی بجائے حکومت پرستی کی طرف مائل رہتے ہیں۔ حضور والیسرائے نے جو تار
سر سائمن صاحب کی خدمت میں روانہ کیا ہے اس میں درج ہے کہ کونسل آف
اسٹیٹ نے سر سنکرن نائر، سر آرتھر فروم، راجہ نواب علی خاں کو اپنا
نمائندہ منتخب کیا ہے اور سردار شیو دیو سنگھ، نواب ذوالفقار علی خاں۔
سر ہری سنگھ گوڑ، ڈاکٹر سہروردی، مسٹر کیکا بھائی، پریم چند، راؤ بہادر
ایم۔ سی۔ راجہ مجلس کی کمیٹی میں کام کرنے کے لیے نامزد کیے گئے ہیں۔ ان سب کا
معیار سیاست ہندوستان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ یہ لوگ جس
جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اس نے قوم پرستوں کے رجحانات سے زبردست
اختلاف کیا ہے۔ اور ان کی مصلحتیں سرکاری مفادات کو قومی و ملکی مفاد
پر ترجیح دیتی رہی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کمیشن ہندوستان کے جملہ صوبوں
کا دورہ کر کے یہ معلوم کرے گا کہ اصلاحات کو کس حد تک کامیابی یا ناکامی
ہوئی ہے اور آئندہ اس میں کس قدر اضافہ یا کمی کی ضرورت ہے؟

اس طریقہ عمل سے ہندوستان کو حقیقی آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔
تمام چوٹی کے لیڈر کمیشن کے طریقہ کار سے متفق نہیں ایسی حالت میں کمیشن کیونکر
کس طرح صحیح نتائج نکال سکتا ہے۔ یہ ایک دل بہلانے والا خواب ہے جو ہندوستان
کو دکھایا جا رہا ہے۔ حقیقی آزادی کا حصول ہوتا کھیل تماشا نہیں ہے۔ حکومت

خود اختیاری کے حصول کے لیے ملک کو عظیم الشان قربانیوں کی ضرورت ہے
ہندوستان کے نو صوبجات ہیں سے ۸ صوبوں کی کونسلیں کمیشن کو تحقیقات میں
مدد دینے والی ہیں اکثر اشخاص نے جو شہادت دینے کے حامی ہیں اپنی یادداشتیں
کمیشن کے دفتر میں روانہ کر دی ہیں جن کونسلوں نے کمیشن سے تعاون کیا ہے
کیا وہ موجودہ طرز حکومت کو پسند کرتی ہیں۔ کیا ان کی یہ خواہش ہے کہ ہندوستان
ہمیشہ غلامی میں گرفتار رہے اور حکمرانی کے اختیارات ہندوستانیوں کے ہاتھ میں
نہ آئیں تو ہمارے نزدیک ان کا عدم وجود برابر ہے۔ حتیٰ کہ لیجسلیٹو اسمبلی جو ایک
باوقار انجمن ہے جس میں سرکاری اور غیر سرکاری ممبر ضروری مسائل پر بڑے بڑے
مباحثے کرتے ہیں اس نے ہندوستان کا حقیقی نمائندہ ہو کر کمیشن سے تعاون
نہیں رکھا ہے۔ اسمبلی کی خواہشات ہندوستان کو شان و شوکت کی دیکھی
بہاروں پر دیکھنا پسند کرتی ہیں مگر کمیشن سے موالات رکھنے والی کونسلیں اپنے
ملک کو قعر ذلت میں پھینکنے کا سامان کر رہی ہیں۔ تحریک ملیہ اس بات کو ہرگز نہ
گوارا کرے گی کہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں نام نہاد آزادی کا لفظ تو
داخل کر دیا جائے مگر حکمرانی کی قوت باشندگان انگلستان کے قبضہ میں رہے۔
سر جان سائمن صاحب انگلستان کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر رہے ہیں کہ ہمارے
کمیشن کی نیابت میں کمیٹیاں مقرر کی گئی ہیں درحقیقت یہ کمیٹیاں نیم سرکاری ہونے
کی حیثیت رکھتی ہیں کمیشن کی نیابت میں جو شہادتیں ہوں گی وہ ہندوستان کی
ہم آہنگی سے علیحدہ ہوں گی ہندوستان کے مسلمہ لیڈر وہی اشخاص ہیں جو آل
پارٹیز کانفرنس میں شریک ہو کر دستور اساسی کو منظور کر چکے ہیں۔ اور یہ دستور
اساسی کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اسی اصول پر مرتب کیا گیا ہے جو دنیا کے دوسرے
خود مختار ملکوں میں جن کو سرکار برطانیہ کی نو آبادیاں کہا جاتا ہے رائج ہے اور

یہی وہ نظام ہے جو "کامل آزادی کا شور مچانے والوں کی زبانوں کو بند
کرسکتا ہے"

مولانا نظامی نے یہ مضمون ۱۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء کے ذوالقرنین میں شائع
کیا تھا۔ اس کے بعد ملک کی سیاست میں نئے نئے انقلاب رونما ہوئے۔
سنہ ۱۹۲۹ء میں مسلم نیشنلسٹ۔ احرار۔ اور خدائی خدمت گاران کی جماعتیں قائم
ہوئیں سنہ ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ العلماء کے ساتھ مل کر ملکی آزادی کے لئے سول
نافرمانی کی جدوجہد میں شریک رہیں شیعہ کانفرنس نے بھی اسی سنہ ۱۹۲۹ء میں قائم
ہوکر آزادی خواہ جماعتوں کا مسلک اختیار کیا۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں جماعت خاکساران
قائم ہوئی وہ اوّل سرحد کے خدائی خدمت گاران اور کانگریس اور علماء
کی مخالفت میں سامنے آئی سنہ ۱۹۳۰ء سے سنہ ۱۹۳۲ء تک انگلستان میں گول میز
کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس وقت قوم پرست جماعتوں کا بہت زیادہ غلبہ تھا۔
اور مسلم لیگ اقلیت میں تھی۔ تاہم حکومت کو مسلم لیگ کا اس قدر پاس تھا کہ اس کی
مخالفت کرنے پر حکومت نے گول میز کانفرنس کے لئے آزادی خواہ جماعتوں
میں سے ایک نمائندہ بھی نہیں لیا۔ گول میز کانفرنس کے نامزد شدہ ممبروں میں
ایسے لوگ کم تعداد میں تھے جن کے دلوں میں آزادی کی سچی تڑپ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
کوئی سمجھوتہ نہ ہوا۔ وزیر اعظم نے بحیثیت پنچ کے فرقہ وارانہ فیصلہ دیا جس کو
جملہ اقوام نے ناپسند کیا۔ اس فیصلے کے مطابق ایکٹ سنہ ۱۹۳۵ء نافذ ہوا جس میں
مرکزی حکومت کے لئے فیڈرل اسمبلی قرار دی گئی مگر اسے سب جماعتوں نے
نامنظور کیا اس لئے اس کا نفاذ نہ ہوا۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں جدید قانون کے مطابق
صوبہ جاتی کونسلوں کا انتخاب پیش آیا۔ اس میں مسلم لیگ نے قوم پروروں سے
اشتراک عمل کی فرمائش کی مگر اس انتخاب میں مسٹر جناح نے آزادی خواہ جماعتوں

سے جو وعدہ کیا تھا وہ ایفا نہ کیا اور انتخاب کامیاب ہونے پر صوبہ متحدہ
کی وزارتوں کے انتخابات پر مسلم لیگ اور کانگریس میں جھگڑا ہو گیا اور
مسٹر جناح نے مسلم لیگ کے لوگوں کو یوم آزادی منانے کی اپنے ذاتی
حکم سے ممانعت کر دی تب سے مسلم لیگ اور آزادی خواہ جماعتوں میں
کشیدگی اور کشیدگی سے علیحدگی ہو گئی یعنی ۱۹۳۷ء سے کانگریس کی حکومت
قائم ہو چکی تھی اسی لیے مسلم لیگ اور کانگریس میں مستقل رسہ کشی شروع ہو گئی
اور مسلم لیگ نے کانگریسی حکومتوں کی بے عنوانیوں کی تبلیغ ملک میں خوب
کی ایک طرف تو دونوں جماعتوں میں یہ کشاکش تھی دوسری طرف اہل ملک
اس ضرورت کو محسوس کر رہے تھے کہ مسلم لیگ اور کانگریس میں سمجھوتہ ہو جائے
تاکہ سلطنت برطانیہ سے ہندوستانیوں کو مزید اختیارات ملنے کا مطالبہ
کیا جا سکے۔ اس سمجھوتہ کے لئے قوم پرور جماعتوں نے جس قدر زیادہ قدم
آگے بڑھایا اسی قدر مسٹر جناح کھنچتے چلے گئے اور ان کی استدعاؤں کو ٹھکراتے
رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء میں یورپ میں جنگ چھڑ گئی۔ اور ۱۹۴۰ء میں
کانگریس نے حکومت سے دست کشی اختیار کی تب مسلم لیگ نے کانگریس کے
نکلنے کی خوشی میں "یوم نجات" منایا اور اسے ہندو جماعت قرار دے کر فرقہ
وارانہ اختلافات کی آگ کو خوب بھڑکایا اور کوشش کی کہ صوبوں میں مسلم لیگی
حکومتیں قائم کریں۔ انگریزوں نے مسلم لیگیوں کو پانچ صوبوں میں وزارتیں
بنا کر دیدیں مگر انھوں نے آپس میں لڑ کر ہر جگہ انگریز کی محنت کو بھی برباد کیا
بنگال میں فضل حق سے لڑے اور وزارت توڑ کر بیٹھے۔ سرحد میں باہم لڑے
اور کانگریس وزارت بنا دی۔ پنجاب میں خضر حیات سے لڑے اور وزارت
سے جواب لے لیا۔ آسام میں کانگریس سے مل کر اس وعدہ کے ساتھ وزارتیں

تاہم کہیں کہ کانگریس کے پروگرام کے خلاف کچھ کام نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح
خضر حیات کو شکست دینے کے لئے پنجاب میں کانگریس اور مسلم لیگ کا متحدہ
محاذ قائم کیا۔ ۱۹۴۴ء میں شور کیا کہ گاندھی جی کو رہا کر دیا جائے تو سمجھوتہ
ہو جائے گا۔ گاندھی جی کو رہا کر دیا گیا۔ ۱۸ روز تک گفتگو ہوئی مگر کوئی
نتیجہ نہ نکلا۔ مسلم لیگ کی اس دورخی پالیسی کی قلعی کھل گئی۔

مولانا نظامی مرحوم ہندو مسلمانوں کے حقیقی اتحاد کے خواہاں تھے۔ انکا
خیال تھا کہ کونسلوں، اسمبلیوں اور مقامی بورڈوں کے الیکشنوں میں جداگانہ
انتخاب کا جو طریقہ جاری ہے وہ عوام کو اتحاد کے مسئلہ کی طرف قدم بڑھانے
کا موقعہ ہی نہیں دیتا بلکہ روز بروز ان کو ہنگامہ آرائی کی طرف آمادہ کرتا
ہے۔ بات بات پر فرقہ وارانہ جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ صوبہ متحدہ میں ۱۹۱۶ء
سے مقامی بورڈوں میں فرقہ وارانہ انتخاب کا طریقہ جاری ہوا ہے اور جدید
اصلاحات کے جاری ہونے سے ۱۹۲۰ء میں کونسلوں میں یہ طریقہ جاری ہوا۔
اس سے پہلے فرقہ وارانہ بلوے شاذ و نادر ہی ہوتے تھے۔ اس کا سبب ظاہر
ہے کہ ہندو ممبران جو جداگانہ انتخاب کے ذریعہ سے قانون ساز مجالس میں
جاتے ہیں وہ اپنے ہندو ووٹروں کو راضی رکھنے کے لیے ایسے رزولیوشن پیش
کرتے ہیں اور ایسے سوالات کرتے ہیں جس سے ہندو مسلم عوام میں منافرت
پیدا ہوتی رہتی ہے اسی طرح سے مسلم ممبر ایسی کارروائیاں کرتے ہیں جس سے
ہندو عوام کے جذبات بھڑکتے رہتے ہیں اس لیے عوام میں مستقل اتحاد اسوقت
تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ جداگانہ انتخاب کا طریقہ رائج ہے۔ جداگانہ
انتخاب کی وجہ سے غریب ووٹر کو اس بات کی ممانعت ہے کہ اس کے پاس غیر
مذہب کا امیدوار ممبری ووٹ مانگنے جائے نتیجہ یہ ہے کہ مسلم اقلیت کے مفادات

میں ہندو ممبروں کے نزدیک اچھوتوں اور شودروں کا مرتبہ مسلم ووٹران کے مقابلہ میں کم ہے اور اس طرح دونوں فرقوں کے غریب آدمیوں کے درمیان جدائی اور جدائی سے منافرت پیدا ہو کر روز بروز بڑھتی رہتی ہے اور لارڈ مالے سابق وزیر ہند کی وہ پیشین گوئی جو انھوں نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ تسلیم کرتے وقت فرمائی تھی پوری ہو رہی ہے۔

"جداگانہ انتخاب دیتے وقت ہم اژدہا کے دانت زمین میں بو رہے ہیں ان سے جو فصل پیدا ہو گی وہ کڑوی ہو گی"

جداگانہ طریقہ انتخاب کی بدولت مسلم عوام طرح طرح کی مصیبتوں میں پھنستے ہیں۔ یہ طریقہ انتخاب اونچے طبقہ کے لوگوں کے لئے جو ممبریوں کے امیدوار ہوتے ہیں نفع بخش ہو تو ہو لیکن ملکی آزادی کے حصول میں سد راہ ہے۔ ہندوستان نے حصول آزادی کے لئے سب سے پہلے جو کام کیا وہ اس جداگانہ طریقہ انتخاب کی لعنت کا ختم کرنا تھا۔ فرقہ وارانہ چال اور دورخی پالسی سے مولانا مرحوم کو سخت نفرت تھی وہ اپنے ہر عقیدہ اور خیال پر سوچ سمجھ کر عمل کرتے تھے دوسروں کے دلائل اور خیالات کے سننے میں انھیں کبھی تامل نہ ہوتا تھا۔ اصول پر استقلال کے ساتھ قائم رہتے تھے جس کے نتیجہ میں مالی اور روحانی تکالیف بھی برداشت کرنی پڑتی تھیں اخبار کا بائیکاٹ اور مالی نقصان ان کو اپنے مسلک سے نہ ہٹا سکا۔

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مولانا نظامی نے جو سیاسی مسلک اختیار کیا تھا اور جس پر وہ آخر دم تک قائم رہے وہ کس قدر صحیح تھا۔ یہ وہی مسلک ہے جس کا آج ہندیونین کے مسلمان اظہار کر رہے ہیں اور اسی پر چلنے میں اپنی عافیت پاتے ہیں۔

مولانا نے سیاسی معاملات کو ہمیشہ مذہبی تعصب سے دور رہ کر جانچا اور پرکھا
سیاست میں جب کبھی قدم رکھا تو انھوں نے ملکی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے
بے لوث رائے قائم کی۔ ان کے بعض دوست اقلیت اور اکثریت کے
قضیہ پیش کر کے ان کو مرعوب کرنا چاہتے تھے مگر مولانا اس سے کبھی نہ ڈرے
وہ کہتے تھے کہ اقلیت اور اکثریت کا قضیہ آزادی ملنے پر خود بخود ختم ہو جائیگا۔
جب ملک آزاد ہوگا یہاں کے سب رہنے والے قانون۔ صنعت
تجارت اور دوسری چیزوں سے یکساں فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ ہندو مسلم
کی لڑائی اسی وقت تک ہے جب تک کہ ہم غلام ہیں مگر عوام کے دماغوں میں
یہ زہریلے خیالات اس درجہ مضبوطی سے پیوست ہو چکے تھے کہ آخر وقت تک
لوگ ان سے چھٹکارہ حاصل نہ کر سکے اور کسی کی ایک نہ مانی۔

مولانا نظامی مرحوم متحدہ ہندوستان اور متحدہ قومیت
کے علمبردار تھے وہ اپنے اس عقیدہ پر پختگی کے ساتھ قائم تھے۔ جو
راستہ انھوں نے اپنے لئے اختیار کیا اور اس میں جو صعوبتیں مشکلات
سد راہ ہوئیں وہ ان کو اس راستہ سے نہ ہٹا سکیں۔ آزمائشوں کا مقصد
انسان کا ثبات و استقلال دیکھنا ہوتا ہے۔ مولانا اس امتحان میں کامیاب
ہوئے۔ استخلاص وطن و قوم کے لئے تمام ہندوستان سے اشتراک
و اتحاد اور غیر ملکی حکومت کی بیخ کنی و استیصال پر آزادی خواہ جماعت سے
تعاون اور ہر رجعت پسند گروہ سے بیزاری و تنفر۔ انگریز اور ہندوستانی
کے سوال پر پورے ہندوستانی۔ اسلام اور کفر کے سوال پر پکے مسلم
یہی مسلک یہی سیاست مرحوم کی تھی۔

شاعری

۱۔ زمانہ طالب علمی کی ایک پیشنگوئی | مولانا نظامی کو جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے شاعری سے بچپن ہی سے لگاؤ تھا۔ زمانہ طالب علمی ہی میں مولانا بیخود بدایونی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیض حاصل کیا۔ بیخود صاحب اپنے سامنے چند شعر لکھوائے اور فوراً اصلاح کر دیتے۔ قسام ازل نے شاعرانہ قابلیت ودیعت فرمائی تھی ذوق سلیم، وجدان صحیح کے ساتھ ساتھ فراولت شعر گوئی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ احساسات کو بیدار کیا تخیلات میں پختگی پیدا کی اور مرحوم میں ذوق شعری بدرجہ اتم اجاگر ہو گیا۔

مولانا نظامی صاحب سنہ ۱۹۰۶ء میں جوبلی ہائی اسکول گورکھپور میں انٹرنس کلاس میں زیر تعلیم تھے۔ منشی ایشور سرن صاحب بھائی ایڈوکیٹ الہ آباد بھی اسی زمانہ میں ان کے کلاس فیلو تھے۔ اس اسکول میں پنی ریڈنگ (Peny Reading) کے جلسے ہوا کرتے تھے جس میں طلبا ڈرامے کرتے نظمیں پڑھتے اور تقریریں کرتے تھے۔ نظامی صاحب کو تو شاعری سے بچپن ہی سے لگاؤ تھا انھوں نے ایک مرتبہ پنی ریڈنگ کے جلسہ میں پڑھنے کے لیے ایک نظم موزوں کی جو ان کو دوستوں کے اصرار پر جلسہ میں پڑھنا پڑی تھی وہ نظم یہ ہے :۔

چینی رٹیڈ نگ سکھا دیتی ہے ہم کو سنئے کچھ — یہ نہ کہنا کبھی ان جلسوں میں رکھا کیا ہے؟
کون کہتا ہے؟ یہ تعلیم ہے ناقص تعلیم — شر سے گر خیر ہو پیدا تو اچھا کیا ہے؟
یہی تعلیم بنا دیتی ہے کیسے انساں — ہم دکھا دیں گے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے؟
وہ بھی دن ہوگا کبھی ہوں گے ہمیں ملک کے رکن — ہند ناچار کا بس اور بھروسا کیا ہے؟

مندرجہ بالا نظم میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظامی صاحب کو اپنے ملک اور قوم سے انتہا ہی سے محبت تھی۔ ترقی ملک کے کیسے کیسے جذبات ان کے سینہ میں موجزن تھے۔

مولانا نے یہ نظم منشی ایشور سرن ایڈوکیٹ الہ آباد کی خدمت میں جبکہ وہ مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے بھیجی تھی اور ان کو یہ لکھا کہ "میں نے سچالات طالب علمی ۱۸۹۱ء میں جو پیش گوئی کی تھی وہ آپ کے ذریعہ پوری نکلی"۔

۲۔ مولانا حالی کا مشورہ | ۱۸۹۶ء میں ایک مثنوی "صبح امید" لکھی اور بغرض اصلاح مولانا حالی کے پاس بھیجی۔ حالی مرحوم نے اصلاح کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں بطور مشورہ یہ بھی تحریر فرمایا "صاحبزادے تم شاعری میں اپنا دماغ نہ کھپاؤ تم کو خدا نے اس کام کے لئے نہیں بنایا تمہارے دل میں قوم کا درد ہے ان جذبات سے متاثر ہو کر واقعات کو نظم کر لیا کرو تو مضائقہ نہیں"۔

مولانا نظامی فرماتے تھے کہ انھوں نے اپنے بزرگ کے اس مشورہ پر عمل کیا اور جب کبھی جذبات کو ٹھیس لگی۔ ادراکات ومحسوسات کا تقاضا ہوا مشاہدات وتخیلات نے کوئی تصویر پیش کی تو مولانا نے اس کی تفسیر صفحۂ قرطاس پر پیش کر دی۔ وہ شعر کو واردات طبع کا آئینہ مانتے اور اپنا درد دل شعر کے پردہ میں ادا کرنے کے عادی تھے ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

غزل کے پردہ میں کہا وہ نظامی درد دل اپنا — مگر بیٹھے نہ وہ اس کی نظر کیا دیکھتے جاؤ

حالی مرحوم کی پیشین گوئی بہت کچھ صحیح ثابت ہوئی اب مولانا کی شاعری بجز چند غزلوں کے صرف نعت، منقبت، اخلاقی، قومی، تعلیمی اور واقعاتی نظموں کے لئے مخصوص ہوگئی۔

نعتیہ، تعلیمی اور سیاسی نظمیں ان کے محبوب موضوع ہیں اکثر اپنے کلام میں اپنے رشتے کے ماموں حضرت زلالی یادگار خواجہ حالی سے مشورہ لیتے۔

مذکورہ بالا محوروں پر ان کی شاعری کا دار و مدار رہا ہے اکثر غزلیں جوان کے کلام میں پائی جاتی ہیں ان کے قالب میں بقول ان کے ان کا درد دل ہے یا پھر سیاسی اور قومی درد کی روح ان کے کلام کا لفظ لفظ سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے ان کے کلام میں حالی کی طرح امت کی بدبختی کا خاکہ بھی ہے اور ترقی انحطاط کا مرثیہ بھی قوم کی موجودہ حالت کو کس موثر پیرایہ میں بیان کرتے ہیں ؎

اس طرح ہے ان کی ہستی مجمع اغیار میں — جس طرح بتیس دانتوں میں اکیلی ہو زباں
نہ علم ہے نہ فضل ہے نہ صدق ہے نہ صفا — برائے نام رہ گئیں سلف کی قصہ خوانیاں
نہ قرطبہ کی شان ہے نہ کر و فر اندلس — خیال میں ہیں شوکتیں زباں پر کہانیاں
نہ وعدہ کا اثر ہے کچھ نہ دین کی خبر ہے کچھ — عمل کا نام ہی نہیں فقط ہیں خوش بیانیاں

قوم کی حالت دیکھتے ہوئے وہ مایوس نہیں ہوتے۔

۳۔ دعوت عمل | بلکہ دعوت عمل دیتے ہیں ؎

دنیا امنگ پر ہے مگر تم ہو خواب میں — اچھی کہی کہ ہم ہیں پرانے خیال کے

خواب غفلت سے بے ہوش قوم کروٹ نہیں بدلتی تو انجام سے ڈرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

مٹا نہ دے گردش زمانہ کہیں ہمارا نشانہ — دہر میں رہ جائے باقی داستاں ہماری

وہ آنے والے خطرہ سے پوری طرح باخبر ہیں حال کا رونا روتے ہوئے جب مستقبل کا خیال آتا ہے تو کس درد بھرے انداز میں فرماتے ہیں ؎

اے نظامی دور موجودہ کو کیا روتے ہیں آپ   آگے آگے دیکھئے کیا کچھ دکھائے آسماں

<u>۴- درجۂ شاعری</u> مولانا کے نزدیک شاعری کو جذبات سے علحدہ کر کے الفاظ کا کھلونا بنانا جس سے شاعر دل بہلا دیں او صنعت گری کے نمونے پیش کریں پسندیدہ طریقہ نہ تھا وہ ایسی شاعری کو بے ثبات بتلاتے اور صرف صنعت کو شاعری قرار دینا روا نہ سمجھتے تھے وہ شاعری کی اصل غایت اصلاح قوم اور مطالعۂ فطرت سمجھتے تھے چنانچہ شاعری کے متعلق ایک غزل میں فرماتے ہیں ؎

جو عروج شاعری ہے اس سے کچھ حاصل نہیں   اور حاصل ہو جو کچھ وہ فخر کے قابل نہیں
ہر زباں پر وہ سخن جس کا نہیں دل پر اثر   واقعہ ڈھونڈو تو ملتا سیکڑوں منزل نہیں
روز مرتے ہیں نرالی موت ان کی موت ہے   بنتے ہیں بسمل مگر دیکھا کبھی بسمل نہیں
ہجو قاضی روزمرہ وصف بادہ بولچال   پھر خدارا کہہ دو کچھ نادان ہیں جاہل نہیں
ہیں زباں کے چست لیکن کام دھندے سے تہی   ان سے بڑھ کر ساری دنیا میں کوئی کاہل نہیں
ہاتھ بھر کا دل لئے پھرتے ہیں وہ آغوش میں   اور کہتے ہیں کہ پہلو میں ہمارے دل نہیں
ہو نہ ہو یہ شاعری ہے یہ نظامی کی غرض   عیب جوئی اس کی عادت میں کبھی داخل نہیں

مولانا نے خلوص جذبات اور صداقت بیان کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ ان کے شعر کی خوبی کا دارومدار لفظی گورکھ دھندوں پر نہیں بلکہ جذبات کی مضبوط بنیادوں پر قایم ہے۔ ان کی شاعری داخلی اور قلبی ہے۔ ان کا تخیل محض مضمون آفرینی میں پرواز کر کے آسمانوں میں غائب نہیں ہو جاتا اسی لئے ایک جگہ لکھا ہے ؎

سن کے اشعار نظامی کے وہ ہنس کر بولے   نہیں آسان ہے اردو میں سخنداں ہونا

حسن کے اوصاف میں تاثیر حسن کی نقاشی کی ہے اور خارجی متعلقات حسن سے احتراز کیا ہے۔ حسن و عشق، ہجر و وصال، شکوہ و شکایت، اور حروف د

حکایت کے جو مضامین ہمیشہ سے شاعر باندھتے آئے ہیں۔ انہیں مولانا نے اپنی زبان میں اس خوبی سے ادا کیا کہ ایک نیا لطف پیدا ہو گیا۔ زبان کی صفائی۔ بندش کی چستی محاورہ اور طرز ادا کا زور ان کا طرۂ امتیاز ہے ؎

جی بھر کے خوب ظلم و ستم مجھ پہ ڈھایئے　　چھریوں کو تیز کیجیے خنجر منگایئے
نکلے زباں سے اُف تو زباں کاٹ لیجیے　　سر تابی گر کروں تو مرا سر اڑایئے
ہیں جان سے گیا یہی مرضی خدا کی تھی　　کہتا ہے کون آپ سے آنسو بہایئے
بھولیں کبھی نہ آپ نظامی کے قول کو　　دشمن کے سبز باغ سے دھوکا نہ کھایئے

۵۔ شاعری میں سادگی | مولانا کے کلام میں محاورے اور روزمرّہ کا لطف بہت ہے وہ سیدھی سی بات کو پیچ نہیں دیتے۔ دراصل پاکیزہ زبان اور محاورات کی چاشنی کے ساتھ مختلف مسائل حیات کو سادگی سے ادا کرنا جس سے سننے والے کے دل پر اثر ہو یہ بہت مشکل ہے اور مولانا کا تمام کلام اسی مخصوص انداز میں موجود ہے۔ ان کے تصنع اور تکلف مطلق نہیں۔ زعامیانہ زبان اور مبتذل خیالات نہ بیجا اور فضول الفاظ کی بھرمار۔ برخلاف اس کے کلام میں جذبات نگاری وسلاست بیانی کی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں ؎

بار کے گھر بلائے جاتے ہیں　　آج روٹھے منائے جاتے ہیں
پوچھتے کیا ہو ان کے ناز و نیاز　　سارے جھگڑے چکائے جاتے ہیں
اپنے جامہ سے کیوں نہ ہوں باہر　　طوق زرّیں پہنائے جاتے ہیں
کچھ تو ہے بات آج گھی کے چراغ　　شام ہی سے جلائے جاتے ہیں
جان پر میری بن گئی ہے یہاں　　آپ اپنی لگائے جاتے ہیں
سن کے اس کی کھری کھری باتیں　　وہ نظامی کو کھائے جاتے ہیں

وہ اپنے مطلب کو کم سے کم الفاظ میں ادا کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے

زندگی کے عمیق فلسفہ کو ایک قطعہ میں اس طرح بیان کرتے ہیں :-

زندگی کیا ہے اور فنا کیا ہے؟　　　حل نہ ہوگا یہ وہ معمّا ہے
آتی جاتی ہے سانس سب کچھ ہے　　　رک گیا دم تو پھر سویرا ہے

۶۔ اقتصادیات اور سیاست | مولانا کی شاعری کا تذکرہ ناتمام رہ جائیگا اگر ہم ان کے اس کلام کا ذکر نہ کریں جو مرحوم نے قوم کی اقتصادی بدحالی اور ہندوستان کی غلامی سے متاثر ہو کر لکھا تھا وہ ایک ایسی ٹیس ہے جو الفاظ کے پیکر میں مجسّم ہو کر نمودار ہوئی ہے۔ ہندوستان کی کہانی خود اس کی زبانی یوں بیان کی ہے ؎

یہ ہم سے آرزو ہے ہند کے پارینہ دفتر کی　　　مجھے اللہ تو پیدا ہوں صدائیں شور محشر کی
کہاں ہے فلسفہ بدھ کا کہاں عرفان اجمیری　　　حریف بیخودی ہیں گردشیں مینا و ساغر کی
تڑپنے کی اجازت ہے نہ مرجانے کی رخصت ہے　　　یہاں سے چپکے چپکے کہہ رہی ہے چھیڑ نشتر کی
کہاں ہے ہن کا برسنا مفلسی کا دور دورہ ہے　　　نہ صنعت ہے نہ حرفت ہے گئیں وہ باتیں زر کی
مزہ جب ہے کہ تجارت ہند کی ہو ہاتھ میں اپنے　　　درآمدیں برآمدیں رہیں جو ٹکر برابر کی

آپ نے دیکھا مولانا کے دل میں ہندوستان کو آزاد دیکھنے کی کتنی تڑپ ہے اور کس قدر حسرت ہے جب ہجوم غم سے آدمی پریشان ہو جاتا ہے تو خود کہا اپنے دل کو سمجھانے لگتا ہے۔ مولانا بھی اپنے دل کو اس طرح سمجھاتے ہیں ؎

گلہ اغیار کا کیا ہم جو اس حالت کو پہونچے ہیں　　　لڑے آپس میں خود ہی لڑ کے حالت اپنی ابتر کی

بہت کچھ لڑ چکے۔ حالت ابتر ہو چکی! اب بھی اگر ہوش میں آجاؤ تو اصلاح ہو سکتی ہے آئندہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے کتنی اچھی تجویز پیش کرتے ہیں ؎

بہت رسوا ہوئے لڑ کر گلے سے اب تو مل جاؤ　　　مجھے اب میان میں رکھ لو یہ ہے آواز خنجر کی
نہ قربانی کا قصہ ہو نہ باجے کا قضیہ ہو　　　ہو یکساں دل میں عزت چرچ کی مسجد کی مندر کی

۷۔ شہر بدایوں | "حب الوطن من الایمان" کے مصداق مولانا کو اپنے وطن سے بڑی محبت تھی۔ بدایوں کے عنوان سے انھوں نے ایک نظم لکھی ہے — بدایوں کی تاریخی عظمت اور علمی فضائل بیان کرتے کرتے موجودہ نسل کی بے حسی دیکھ کر فرماتے ہیں ؎

اے بدایوں کیا ہوئیں تیری مقدس ہستیاں — جسم ہی موجود لیکن روح اب تجھ میں کہاں
آج کل غافل نظر آتے ہیں تیرے نوجواں — ڈر ہے اک دن مٹ نہ جائیں تیرے اگلے سے نشاں
جان و دل اپنا دیا سب کچھ یہ حق کی قسم — فخر ہے ہم کو بھی کہلاتے بدایونی ہیں ہم

مولانا نے یہ نظم ۱۹۱۶ء میں کہی تھی۔ اللہ اللہ اس وقت بدایوں میں کیسی کیسی معزز و مقتدر ہستیاں موجود تھیں جو خاک کا پیوند ہو گئیں۔ اب جو چند نفوس باقی ہیں وہ چراغ سحری ہیں کسے معلوم ہے کہ باد فنا کا ایک جھونکا انھیں بھی کب خاموش کر دے۔ کاش ہم اب بھی ان کی قدر پہچانیں اور ان سے کچھ حاصل کریں ؎

نظامی خواب سے جاگو تم بیدار ہو بیٹھو — بدایوں کی سحر ہے صبح جنت کہیں عشرت

کہیں تو رشک جنت کا مقام ہے آج بدایوں کے بہت سے نوجوانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بدایوں کی صبح اور اودھ کی شام مشہور ہے۔

۸۔ قومی درد | قومی نظمیں ہوں یا بہاریہ غزلیں۔ مولانا کے کلام میں آپ ہر جگہ قومی درد پائیں گے۔ ایک بہاریہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :—

بنی ہے جان پر کیا چارہ گر بھی دیکھتے جاتے — وہ تاثیر علاج بے اثر بھی دیکھتے جاتے

"تاثیر علاج بے اثر" کی ترکیب داد سے مستغنی ہے۔

جو پیچھے رہ گئے ہم تھک کے ان پر کیا گزرتی ہے — ذرا اے قافلے والو ادھر بھی دیکھتے جاتے

کیا بیکسی ہے۔

اٹھا کر آنکھ دشمن کو نہ دیکھا یہ غضب کیا تھا — ادھر بھی دیکھتے جاتے ادھر بھی دیکھتے جاتے

کیا شعر فرمایا ہے۔ سبحان اللہ اسے ذرا دوسری نظر سے تو ملاحظہ فرمایئے:۔

کسی کا بھی نہیں بدخواہ گو سب سے برا ہوں میں　　　خطا کے دیکھنے والے ہنر بھی دیکھتے جاتے

مولانا میں یہ ہزار خوبیوں کی ایک خوبی تھی کہ کبھی دوسروں کی اچھائی برائی سے غرض ہی نہیں رکھتے تھے ایک شعر اور ملاحظہ ہو:۔

اقبال رفتہ حیف کہاں تو چلا گیا　　　کیا ل گیا کسی کو تباہی میں ڈال کے

کس قدر عبرتناک شعر کہا ہے۔ ذرا ماضی و حال کا مقابلہ کیجئے اور دیکھئے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے معاذ اللہ! ایک شعر میں پوری تاریخ سمو دی ہے مولانا کے کلام میں شروع سے آخر تک آپ کو یہی چیز ملے گی۔

شاعری میں خیال کی بلند پروازی کی ضرورت ہے اور اصلاحی کاموں کے لئے اس کے خلاف عملی جد وجہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس میں شاعری کی بلند پروازی کی گنجائش نہیں ہوتی؛ نظامی صاحب مرحوم نے دونوں میدانوں میں یکسانیت کے ساتھ قدم بڑھایا اور کامیاب قدم بڑھایا لیکن رجحانات کی کشمکش کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ان کی شاعری میں عملی شاعری شروع ہو گئی سیاسی اور اقتصادی مضامین کو شاعری کے ذریعہ ہر دل عزیز بنانے میں ان کا بہت بڑا حصہ رہا۔ جب مولوی سید طفیل احمد صاحب مرحوم بدایونی رہ کر "مسلمانوں کے روشن مستقبل" کی تصنیف کا کام کر رہے تھے تو مضامین کو عوام کے لئے دلچسپ بنانے کے لئے نظامی صاحب ان کو نظم میں ڈھال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ پہلے ایڈیشن میں کتاب نہ کور کے جو نظمیں تھیں وہ زیادہ تر نظامی صاحب مرحوم کی دماغ سوزی کا نتیجہ تھیں۔

نظامی صاحب کی آخری نظم جو موت کے احساس کے ساتھ لکھی گئی ہے اس سے ان کے ٹھوس خیالات کا اندازہ ہو سکے گا۔ نظامی صاحب کی پوتی قیصر جہاں

کی شادی سراج الحسن ان کے نواسہ سے۔ ۲ رجون ۱۹۴۷ء کو ہونا قرار پائی تھی۔ چنانچہ شروع مئی سے شادی کے انتظامات ہونا شروع ہو گئے تھے ۲۰ رمئی کو نظامی صاحب یکایک بیمار پڑ گئے۔ سب لوگ ان کی تیمارداری میں لگ گئے اور شادی کے انتظامات کی طرف توجہ کم ہو گئی مگر وہ حالت بیماری میں بھی شادی کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ ۵ رجون کو اپنی وفات سے تین یوم قبل فرمانے لگے کہ ہم نے شادی کے لیے ایک نظم کی فکر کی ہے اس کو لکھ لو چنانچہ وہ بولتے گئے اور نظم لکھ لی گئی پھر فرمایا کہ "شاید یہ ہماری آخری نظم ہے"

فلسفۂ شادی

یہ نظم ہے آخری ہماری　　نکتے اس میں ہیں بھاری بھاری
شادی کا ہے فلسفہ نرالا　　پہلے والوں نے خوب سمجھا
بی بی زینب اور ان کی اماں　　امت کی ہیں آج بھی نگہباں
حال ان کا پڑھو تو راہ پاؤ　　سب کو وہی راستہ دکھاؤ
دولھا دلہن سے ہے یہ کہنا　　شادی یہ نہیں ہے اک معمّا
جن سے ہوں تعلقات پیدا　　ان سے مغلوب ہو نہ جانا
ماں باپ عزیز و اقربا کو　　درجہ درجہ سے ان کو دیکھو
اس نکتہ کو بھولے تو غضب ہے　　بے لطفی کا بس یہی سبب ہے

یہ شعر نہیں ہیں دل کا جذبہ
بیمار نظامی اور کہے کیا

سنّی وقف بورڈ، دوسری پبلک خدمات، مُلّا عبدالقادر بدایونی کے مزار کی تعمیر، لائبریری کی ترتیب، بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے محبت، وفات

سنّی وقف بورڈ | مسلمانانِ یو۔پی میں ایک عرصہ سے اوقاف کی تنظیم کا سوال چلا آرہا تھا چنانچہ جمعیۃ العلماءِ ہند کی جانب سے تنظیمِ اوقاف کے مسودے مرتب ہوئے۔ خان بہادر حافظ ہدایت حسین مرحوم نے ایک مسودہ قانون اس زمانہ کی یو۔پی کونسل میں پیش کیا جس پر گورنمنٹ ایک کمیٹی اوقاف بنائی گئی جس نے اس سلسلہ میں تمام صوبہ کا دورہ کیا۔ خان بہادر حافظ ہدایت حسین کے انتقال کے بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب حال وزیر صوبہ یو۔پی نے اس مسودہ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ سنہ ۱۹۳ء میں پہلی کانگریس گورنمنٹ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد یہ مسودہ پاس ہو گیا۔ مستقل سنّی بورڈ بنائے جانے کے پہلے جو دیئے قانون ہائے سنّی بورڈ بنانے کی تجویز تھی جب یہ مسودہ قانون بن گیا اور اس کا نفاذ ہوا تو وہ زمانہ تھا کہ مسلم لیگ اور کانگریس میں اختلافات ہونے کے باعث مسلم لیگ کی علیحدہ جماعت بن چکی تھی مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی میں سیاست

سب سے اوپر تھی۔ چنانچہ سنی بورڈ کے انتخابات میں بھی سیاسی رنگ پیدا ہو گیا۔ قریب قریب وہ تمام مخالف الخیال حضرات جو وقف کے قانون میں شروع سے حصہ لے رہے تھے مگر سیاست میں مسلم لیگ کے ہم خیال نہ تھے اس بورڈ کی ممبری سے محروم رہے حتیٰ کہ حافظ محمد ابراہیم صاحب جو اس قانون کو پیش کرنے والے تھے انکو بھی شرکت کا موقع نہیں دیا گیا۔ حضرات علما جمعیۃ العلما کے ممبران تھے ان کے انتخاب کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ بورڈ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی جانب سے دو نمایندے لیے گئے تھے جن میں سے ایک مولانا نظامی اور دوسرے مولانا سید طفیل احمد مرحوم تھے صرف یہی دو اصحاب تمام بورڈ میں ایسے تھے جو سیاسیات سے علیحدہ ہو کر بورڈ میں آئے تھے۔

سنی بورڈ کا دراصل سیاسیات سے نہ کوئی تعلق تھا اور نہ تعلق ہونا چاہیے تھا مگر عام قاعدہ ہے کہ سیاسی جد وجہد میں سیاسی پارٹیاں غیر سیاسی اداروں اور جماعتوں پر بھی اپنی جماعت کے اقتدار کے بڑھانے کی غرض سے قبضہ کرنے کی کوشش کیا کرتی ہیں خواہ کسی سیاسی جماعت کے لیے یہ اقدام کتنا ہی مفید کیوں نہ ہو مگر اس ادارہ اور جماعت کے لیے مضرت رساں ہوتا ہے۔ بجائے تعمیری کام کے پارٹی بندی کی بنا پر کام چلنے لگتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا سنی وقف بورڈ کے ممبران لیگی خیال کے حضرات تھے صرف یہی دو بزرگ ایسے تھے جن کا سیاسی مسلک مختلف تھا۔ رائے شماری کے اعتبار سے بورڈ میں ان کی کچھ نہ چل سکتی تھی مگر ان دونوں بزرگوں کے لیے قومی مفاد کے مقابلہ میں اور کوئی چیز پیش نظر نہ تھی چنانچہ انھوں نے بورڈ میں ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اس میں فرقہ بندی اور پارٹی بازی کو قریب نہ آنے دیا۔ کل بورڈ کی فضا کو بدل دیا اور اس میں نہایت انہماک سے کام کرتے رہے

وقف ایکٹ نافذ ہونے اور بورڈ بن جانے کے بعد سب سے مشکل سوال قواعد
بورڈ کے بنانے اور ان کے ترتیب دینے کا تھا۔ ان قواعد و ضوابط کے مرتب
کرنے میں سب سے زیادہ حصہ نظامی صاحب مرحوم نے لیا باوجود ضعیف
اور علیل ہونے کے تقریباً ہر ایک جلسہ میں شریک ہونے کی تکلیف گوارا کرتے
تھے۔ کچھ عرصہ سے عوارض اور کمزوری کی وجہ سے بغیر امداد کسی دوسرے شخص کے
سفر نہیں کر سکتے تھے باوجود ان تمام مجبوریوں کے لکھنؤ، علی گڑھ، الہ آباد
کے سفر کا بار وقف اور تعلیمی خدمات کے سلسلہ میں اٹھاتے رہے۔

مولانا نظامی صاحب کی وفات پر سنی سنٹرل وقف بورڈ نے حسب
ذیل تعزیتی رزولیوشن پاس کیا:-

"سنی سنٹرل وقف بورڈ مولوی نظام الدین حسین نظامی ممبر وقف
بورڈ کی وفات پر رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا مرحوم بورڈ کے بہت
ہی سرگرم ممبر تھے اور بورڈ کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ خدا ان کو
اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

۴۔ دوسری پبلک خدمات جب یو۔پی حج کمیٹی کے قیام کا سوال پیدا ہوا
تو مولانا مرحوم نے بڑے زور شور سے اس کی تائید کی۔ اس کے متعلق اخبار
میں مسلسل مضامین لکھے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی نمائندگی کی کوشش کی
چنانچہ ایک ممبر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے لیا جانا منظور ہو گیا اور حکیم ہادی رضا خاں
صاحب لکھنوی آنریری سکریٹری منبع الطب کالج لکھنؤ جو بڑے سرگرم قومی
کارکن تھے اس کمیٹی کے ممبر مقرر ہو گئے۔

۱۹۳۱ء میں جب انگلستان کی مالیات متزلزل ہو رہی تھیں یہاں تک
کہ خزانہ میں اتنا سونا باقی نہ رہا تھا کہ نوٹ کے بجائے سکہ دیا جا سکے۔ اس نازک

حالت کے مقابلہ کے لیے جو طریقے اختیار کیے گئے اون کے بارے میں مولانا نظامی نے راقم الحروف سے کہا کہ میں اس مسئلہ پر مضامین لکھوں چنانچہ انھوں نے اخبار ذوالقرنین میں شائع کیے اور بعد میں اون کو کتابی شکل میں "مسئلہ اور شرح تبادلہ" کے نام سے شائع کیا۔ یہ کتاب اردو زبان میں اس پیچیدہ مسئلہ کے بارہ میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔

صوبہ یو۔پی کونسل میں جب قوانین امداد مزارعین کے پیش ہوئے اس زمانہ میں اون کے محب صادق خان بہادر مولوی فصیح الدین صاحب کونسل کے ممبر تھے اون کے کونسل کے تمام کاموں میں نظامی صاحب مرحوم ہاتھ بٹاتے تھے ان قوانین کی رو سے کاشتکاروں اور زمینداروں کے لئے سہولتیں پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی گئیں جو بڑی حد تک کامیاب ہیں۔

اسی سلسلہ میں نظامی صاحب نے ایک نیا روزانہ رسالہ "زمیندار کسان" کے نام سے شائع کیا۔ اس کا آنریری ایڈیٹر خان بہادر مولوی فصیح الدین صاحب نے بننا منظور فرمایا۔ خان بہادر مرحوم اس رسالہ میں اپنے مضامین اکثر دیا کرتے تھے۔ مولانا نظامی نام و نمود کی باتوں سے بہت دور رہتے تھے۔ انھوں نے میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ اور کونسل کی ممبری کی کبھی خواہش نہ کی۔

وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں نے اپنے آپ کو ان جھگڑوں میں ڈال دیا تو میرے علمی، ادبی کاموں کو بڑا ہی نقصان پہونچے گا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ان کاموں سے علحدہ تھے بلکہ وہ ان کاموں میں بھی بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ خان بہادر مولوی فصیح الدین صاحب بدایوں میں پبلک کاموں کے صحیح رہنما سمجھے جاتے تھے چنانچہ بدایوں کی پالٹکس پر اون

کے مشورہ سے نہیں چلتی تھی۔ خان بہادر صاحب کے مشیر خاص یا کہ دست راست
مولوی نظامی صاحب تھے۔ ان دونوں کے مشورہ سے تمام قومی اور سیاسی
کاموں کے پروگرام مرتب ہوا کرتے تھے۔

۳۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی کے مزار کی تعمیر۔ مُلّا عبدالقادر المتخلص بہ قادری رحمۃ اللہ علیہ
قریشی نسل کے ایک بزرگ تھے۔ تاریخ میں ان کو "البدایونی" کے لقب سے
یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۷ ربیع الثانی سنہ ۹۴۷ھ مطابق سنہ ۱۵۴۰ء کو پیدا ہوئے
آپ کا مکان شہر بدایوں محلہ تِتنگی ٹولہ متصل سپ پاڑہ میں تھا مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی
فرشوری مرحوم نے اخبار ذوالقرنین مطبوعہ ۲ رفروری سنہ ۱۹۱۵ء میں مُلّا کی سوانح پر
ایک بسیط مضمون لکھا تھا اس میں ان کی سکونت محلہ بیدوں ٹولہ لکھی ہے۔ اس
اختلاف کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ محلہ تِتنگی ٹولہ کے عقب میں ایک حصہ بیدوں ٹولہ
کا ہے ممکن ہے کہ مُلّا کے مکانات یا مکان کا کوئی حصہ (دروازہ) بیدوں ٹولہ
کی طرف بھی ہو۔

شہنشاہ اکبر کے عہد سلطنت میں فن تواریخ کے ماہر اور محدثیت و صداقت
کی قابل یادگار مثال قائم کرنے والے مورخ اعظم مُلّا عبدالقادر بدایونی
اپنے وطن بدایوں میں ساڑھے تین سو برس سے مدفون ہیں۔ تاریخ نویسی میں
ان کی تقلید کی تمنا ہر مورخ کرتا ہے۔ یورپ کی علمی دنیا میں البدایونی کے
نام سے مشہور رہے۔ ممالک مشرقیہ و مغربیہ کے علمی حلقوں میں مُلّا مرحوم کا نام خاص
توقیر و عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ مُلّا مرحوم کی شخصیت علما و دربار اکبری میں
جس قدر ممتاز تھی محتاج بیان نہیں۔ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں تاریخ
البدایونی ایم۔ اے کے کورس میں داخل ہے لیکن یہ امر کس قدر موجب افسوس
ہے کہ جس باکمال کی بدولت بدایوں کا نام یورپ و امریکہ تک کے علمی حلقوں میں

وقعت کے ساتھ لیا جاتا ہے آپ کا مزار اہل وطن کے بے اعتنائی کے ہاتھوں تقریباً بے نشان تھا۔ اب تقریباً ۲۵ سال پیشتر مولوی علی احمد خاں اسیر نقشبندی قادری بدایونی مرحوم نے مولانا نظامی کی تحریک پر حالات دیباچہ مورخ اعظم حضرت ملا عبد القادر قادری رحمۃ اللہ علیہ کو قلمبند کیا تو مورخ کے مزار کی جستجو شروع ہوئی اور مزار کا صحیح پتہ چل گیا تو سب سے پیشتر مولانا نظامی مرحوم نے مزار پاک مورخ البدایونی کی تعمیر کی آواز بلند کی۔ ذوالقرنین میں مسلسل مقالات لکھے سنہ ۱۹۲۴ء میں پر اونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بدایوں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ مزار کی درستی کر کے اس پر ایک کتبہ لگا دیا جائے۔ مزار کا موقع موضع عطاپور پرگنہ بدایوں میں شہر سے دو میل کے فاصلہ پر گوشۂ شمال و مشرق میں پختہ سڑک کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ مولانا نظامی مرحوم نے یہ تجویز فرمایا تھا کہ حسین قلی شیفتہ اصفہانی کا مت رجہ ذیل قطعۂ تاریخ وفات ملا علیہ الرحمۃ جو خود ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے پتھر پر کندہ کر کے لگا دیا جائے ؎

شاعر خوش کلام و خوش گفتار
زیں جہاں چونکہ ارتحال نمود
از سر شک شیفتہ اورد
قادری آہ انتقال نمود

۱۰۰۳+۱

بیرونی مقامات سے علم دوست اصحاب اور اکثر سیاح ان کے مزار کی زیارت کے لیے بدایوں آتے ہیں مگر اہل بدایوں کی ناقدردانی اور سہل انکاری نے اس نامور مؤرخ کی کس مپرسی اس نوبت تک پہونچا دی ہے کہ

کہ زائرین مُلا کو بدایوں پہونچکر بھی ان کے مدفن کا پتہ لگانا دشوار ہوتا ہے۔
کئی سال ہوئے کہ لاہور و امرتسر سے چند تعلیم یافتہ بزرگ رائے بہادر
مسٹر برج لال بھاء وار آنجہانی کے یہاں اوجھیانی تشریف لائے اور وہاں
سے مُلا کے مزار پر بصد اشتیاق حاضر ہوئے۔ مُلا کا باغ اور عطا پور کی معافی
جہان کو بادشاہ سے ملی تھی مشہور رہی لیکن امتداد زمانہ نے یہ حالت کر دی
کہ چبوترے کے رہے سہے نشانات اور نشان قبر تک معدوم ہونے والا تھا
پنجابی محققین کا پتہ نا فلد داتا گنج والی سڑک پر گشت لگا رہا تھا اتفاقاً مولوی
محمد اکرام عالم صاحب مرحوم ایڈوکیٹ بدایوں وہاں سے گذر رہے تھے
پنجابی صاحبان نے آپ سے پوچھا ہی اور آپ نے مُلا کی شکستہ قبر جو شکستہ
اور منہدم چبوترہ پر موجود تھی بتا دی اس کے اردگرد کی زمین اور کچی
قبریں کاشتکاروں کی دست برد کی نظر ہو چکی تھیں اور چند سال گذر جاتے
پر اس چبوترہ اور قبر کا بھی کھیت میں شامل ہوجانا یقینی تھا پنجابی صاحبان
نے اہل بدایوں کی اس ناقدری پر اظہار افسوس کیا۔ مولوی صاحب کو ایسی
غیرت محسوس ہوئی کہ آپ نے اسی وقت سے اس کی مرمت کا ارادہ کر لیا
پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ بدایوں ۱۹۲۴ء میں اعلان
کر کے اپنے اس ارادہ کی توثیق کر دی۔

قدردانان مُلا صاحب خصوصاً مولانا نظامی مرحوم، مولوی ضیاء احمد
صاحب ایم اے پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور مولوی تصدق علی صاحب
ڈپٹی انسپکٹر کا اصرار مولوی اکرام عالم صاحب سے جاری رہا۔

مُلا والا باغ اب آراضی مزروعہ ہے اور صرف دو ایک درخت باقی
رہ گئے ہیں ۱۹۳۰ء میں مولوی اکرام عالم صاحب نے شکستہ چبوترہ اور مزار کی

کو از سرِ نو تعمیر کرا کے لوحِ مزار نصب کر دیا۔

مولانا نظامی مرحوم نے اب تک عملی طور پر اس جد و جہد کو جاری رکھا جب تک مزار کی بہمہ جہت تعمیر مکمل نہ ہو گئی۔ چنانچہ حضرت مُلّا کے مزار پر جو کتبہ سنگی ہے اس میں مولانا نظامی مرحوم کا نام نامی بھی درج ہے۔

مولانا نظامی مرحوم کا علمی مذاق بدایوں کے مخصوص اہل علم کے نزدیک بھی قابلِ قدر تھا۔ مولانا نظامی کو مورخِ اعظم مُلّا عبد القادر "البدایونی" سے ان کی حق گوئی اور بیباک صداقت کے باعث خاص عقیدت تھی بلا مرحوم کی تصانیف سے خاص انس تھا۔ مولانا علی احمد صاحب "اسیر" مرحوم نے حضرت مُلّا عبد القادر قدس سرہٗ (البدایونی) کی جو سوانح حیات مرتب فرمائی تھی وہ اس وقت تک طبع نہ ہو سکی۔

مزار کی تعمیر کے بعد بعض نوجوانوں کو "یوم مُلّا" منانے کا خیال پیدا ہوا اور اُس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء کو مُلّا کے باغ میں جہاں اُن کا مزار ہے یوم مُلّا منایا گیا جس میں شہر کے معززین اور شائقین ادب نے شرکت کی۔ نظمیں اور مقالے پڑھے گئے۔ آخر میں مولوی محمد اکرام عالم کی طرف سے ایک پر تکلّف پارٹی دی گئی۔

۱۷- نجی زندگی | مولانا کی قومی خدمات کا ریکارڈ اخبار ذوالقرنین کے کالموں، پراونشل ایجوکیشنل اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنسوں اور گورنمنٹ کی رپورٹوں میں محفوظ ہے۔ اُن کی پرائیویٹ زندگی اُن کی بلند پایہ شخصیت خلوص محبت کی آئینہ دار ہے۔

وہ اپنے اعزا اور احباب سے حُسن سلوک، صفائی معاملہ رکھتے تھے اور اپنی اولاد سے محبت و شفقت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی

میں ہی اپنی اولاد کو جائیداد، مکانات، نقد مطابق حصۂ شرعی باقاعدہ طور پر لکھت پڑھت کر کے تقسیم کر دیئے تھے اور ان کو مالک بنا دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے انتقال کے بعد تمام تجارتی کاروبار اور گھریلو زندگی کی گاڑی اسی خوش اسلوبی سے چل رہی ہے جیسی کہ ان کے سامنے تھی۔ ہر شخص اپنی جگہ مطمئن اور خوش ہے ان کی کامیاب زندگی کا راز ان کی محنت شاقہ، حسن عمل اور خلوص نیت تھی۔ وہ روزانہ علی الصباح بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کے بعد اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔ ابھی سارا گھر بستر سے اٹھنے بھی نہ پاتا تھا کہ وہ متعدد ضروری خطوں کے جواب لکھ دیتے۔ اخبار کے لئے مضمون سپرد قلم کر لیتے یا کوئی تصنیف و تالیف زیر نظر ہوتی اس کے دو چار صفحے ختم کر لیتے۔ سات، آٹھ بجے دن کے جب ناشتہ کا وقت آتا تو اپنے پوتوں، نواسوں کے حلقہ میں بیٹھ کر باتوں ہی باتوں میں شعر و ادب کی باتیں کرتے جاتے اور ناشتہ کرتے۔ آٹھ بجے صبح سے احباب اور کاروبار سے متعلق لوگوں کی آمد شروع ہو جاتی۔ کمال یہ تھا کہ ایک ہی وقت میں احباب سے بے تکلفی کی گفتگو بھی کر لیتے اور کاروباری ہدایات بھی دیتے جاتے۔ مضامین کی تحریر و ترتیب و مصروف رہتے۔ ان کے دماغ کی خصوصیت یہ تھی کہ علمی کام کے لئے انھیں یکسوئی کی ضرورت نہ ہوتی۔ ان کی شخصیت کی مقناطیسیت کا یہ عالم تھا کہ جو لوگ ان کے قریبی واقفیت رکھتے تھے ان کے اعلیٰ کیرکٹر و دیانتداری سے بغیر متاثر ہوئے نہ رہتے۔ ان کا حلقۂ احباب وسیع تھا۔ وہ سب ان پر اعتماد رکھتے تھے۔ مولانا مرحوم اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز تھے۔ آئے دن ان کے یہاں مہمانوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ نظامی مرحوم کو بچوں کی تعلیم کا شوق ورثہ میں ملا تھا۔ ملا محمد یوسف صاحب جو ان کے جد امجد تھے وہ جہانگیر کے استاد تھے اسی وجہ سے

خاندان متولیان کے لوگوں سے بدایوں کے پرانے خیال کے شرفا اپنے بچوں کی بسم اللہ خوانی کراتے تھے۔ مولانا مرحوم چونکہ اسی خاندان متولیان کی یادگار تھے اس لئے ان کے اکثر عزیز اور دوست اپنے بچوں کو نظامی صاحب سے بسم اللہ پڑھوانا مبارک اور نیک شگون سمجھتے تھے۔

خان بہادر مولوی رضی الدین صاحب نے جب اپنے پوتے مولوی نہال الدین بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایم۔ ایل۔ اے کا مکتب کیا تو مولوی نظامی صاحب سے بہ اصرار بسم اللہ پڑھوائی۔ اب یہ رسم کچھ تو مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری اور کچھ جدید تعلیم اور نئی روشنی کے اثرات سے اٹھتی جارہی ہے۔

۵۔ لائبریری کی ترتیب | نظامی صاحب کو کتابوں کا بچپن سے شوق تھا وہ ہمیشہ اچھی اچھی اور نایاب کتابیں جمع کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کی جمع کردہ کتابوں سے ایک اچھی خاصی لائبریری بن گئی جس میں تقریباً تین ہزار کتابیں جمع ہوگئیں انہوں نے اس کی ایک باقاعدہ فہرست بھی مرتب کرائی تھی چونکہ کتابیں روزانہ نکلتی رہتی تھیں اور نئی کتابیں آتی رہتی تھیں اس لئے وہ فہرست مکمل نہ رہ سکی اور رفتہ رفتہ ترتیب بھی مصروفیت اور عدیم الفرصتی کے باعث ختم ہوگئی پھر یہ حالت ہوگئی کہ سب کتابیں بلاترتیب الماریوں میں بھردی جاتی تھیں مولانا سید طفیل احمد صاحب سال میں دو ایک مرتبہ اُن کے پاس بدایوں ضرور آتے تھے اور کتابوں کی بے ترتیبی دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ کتابوں کو ترتیب سے رکھواؤ تاکہ کتاب وقت ضرورت مل سکے۔ مگر اس پر عمل نہ ہوسکا۔ ایک مرتبہ مولانا سید طفیل احمد صاحب مئی ۱۹۴۲ء میں بدایوں تشریف لے گئے تو کہنے لگے کہ میں خود اس مرتبہ آپ کی لائبریری کی ترتیب دوں گا آپ کو اس طرف توجہ کرنے کا موقعہ ملنا مشکل ہے۔ پھر تو دونوں بزرگوں نے ایک ایک کتاب کو دیکھا اور ہر فن کی کتابیں چھانٹ کر علحدہ کیں ان پر

لیبل لگائے اور رجسٹر میں باقاعدہ اندراج کرکے لائبریری کو مکمل کیا ان
دونوں بزرگوں کے کام کا اندازہ نظامی صاحب مرحوم کے نواسے سراج الحسن
حمیدی ایم۔ اے کے حسب ذیل بیان سے ہو سکے گا :-

میں بی۔ اے کا امتحان دے کر تعطیلات کلاں میں علی گڑھ سے بدایوں
آیا ہوا تھا۔ مولانا سید طفیل احمد مرحوم نانا میاں مرحوم کے سچے رفیق اور ہمدم "نظامی
لائبریری" کی ترتیب میں مصروف تھے۔ شب و روز مولانا مرحوم اور نانے میاں
مرحوم نہایت جانفشانی اور محنت سے لائبریری کی ترتیب میں منہمک رہتے۔
میں اور گھر کے دوسرے لڑکے اور بچے بھی اس کام میں ان بزرگوں کی مدد کرتے
تعجب ہوتا تھا کہ اس کبرسنی اور پیرانہ سالی میں دونوں بزرگ کس طرح اتنی محنت
کرتے تھے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد مشکل سے گھنٹہ دو گھنٹے گزرنے پاتے
تھے کہ دونوں بزرگ کتابوں کی ترتیب کے لئے پھر مستعد نظر آتے۔ خدا معلوم
کہاں سے اُن میں ان نوجوانوں کی سی طاقت و قوت آگئی تھی۔ بعض اوقات ہم
لڑکے کام کرتے کرتے اکتا جاتے تھے۔ مولانا صاحب یا نانا میاں سے پانی پینے
یا کسی اور بہانے سے اجازت لیکر زنانہ میں چلے جاتے اور اس انتظار میں رہتے کہ
جب یہ بزرگ آج کا کام کرلیں تو باہر نکلیں تاکہ کام نہ کرنا پڑے۔ دوبارہ ملاقات
ہونے پر دونوں میں سے کوئی بزرگ یہ دریافت نہ فرماتے کہ عزیزم پانی پی
کر یا کوئی دوسرا کام انجام دے کر اب واپس آرہے ہو۔ ممکن ہے کہ انھیں یاد
نہ رہتا ہو لیکن یہ بات نہ تھی۔ نانے میاں اور مولانا صاحب دونوں کی یادداشت بہت
اچھی تھی۔ برسوں کی بات کل کی طرح یاد رہتی تھی مگر دونوں دانستہ اور عمداً ہم لوگوں
سے اس کے متعلق دریافت نہ فرماتے یہ بزرگ نہیں چاہتے تھے کہ ہم کو شرمندہ
دیکھیں۔ لیکن اپنے مطلب کو اشارتاً اور کنایتاً ہم لوگوں سے ادا کر دیتے جس کو

ہم میں سے بعض سمجھ جاتے بعض نہ سمجھ پاتے۔ دوسرے سمجھ کر بھی ناسمجھ بنتے
لیکن بزرگوں کا مقصد پورا ہو جاتا۔ کیونکہ اس کے بعد ہم سب لاپرواہی کے کاموں
میں ذرا محتاط سے ہو جاتے۔

۷۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے محبت | نظامی صاحب مرحوم میں پرانے زمانے کی
خوبیوں میں سے ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ جہاں ایک طرف چھوٹوں کے ساتھ محبت اور
الفت کا برتاؤ تھا اپنے سے بڑوں کا ادب بھی ایسا ہی کرتے تھے جیسا کہ پرانے زمانے میں
ہوگا۔ نظامی صاحب کے چچا مولوی حبیب الدین احمد صاحب شاہجہانپور میں ڈپٹی کلکٹر
تھے۔ اس وقت خان بہادر مولوی رضی الدین صاحب فرشوری مرحوم بھی شاہجہانپور
میں وکالت کرتے تھے اور وہاں ان کا شمار چوٹی کے وکیلوں میں تھا۔ ان دونوں
میں بڑی دوستی تھی ہر وقت آنا جانا رہتا تھا۔ نظامی صاحب بہ سلسلہ تعلیم شاہجہانپور
میں اپنے چچا صاحب کے پاس رہتے تھے۔ چنانچہ خان بہادر صاحب نظامی صاحب
پر اپنے بچوں کی طرح شفقت کرتے تھے نظامی صاحب بھی ان کا ادب ایسا ہی
کرتے تھے جیسا کہ اپنے چچا صاحب کا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد نظامی صاحب
تعلیم سے فارغ ہو کر ملازمت میں داخل ہو گئے اس کے سولہ سترہ برس کے بعد
خان بہادر صاحب اپنے وطن بدایوں میں مستقل طور سے آ گئے یہ وہ زمانہ تھا جب
نظامی صاحب بدایوں میں ذوالقرنین جاری کر چکے تھے اس وقت بھی نظامی صاحب
نے خان بہادر صاحب کا اسی طرح پاس و لحاظ کیا جیسا کہ وہ بچپن میں کرتے تھے۔ اکثر
خان بہادر مرحوم دفتر ذوالقرنین میں تشریف لایا کرتے تھے۔ مولانا نظامی فوراً
کرسی چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کو اپنی کرسی پر بٹھاتے پھر جب وہ بیٹھ جانے
کو فرماتے تو دوسری کرسی پر بیٹھتے۔ خان بہادر صاحب بھی نظامی صاحب کو
اپنی اولاد سے کچھ کم نہیں سمجھتے تھے۔ جب نظامی پریس قائم ہوا تو خان بہادر صاحب

نے اپنی ایک ضخیم کتاب "کنز التاریخ" چھپنے کے لئے دی جس کو نظامی صاحب نے بڑی عمدگی کے ساتھ طبع کرایا۔ بابو رگھبیر سہائے صاحب ایڈووکیٹ ایم ایل اے کے والد بابو گنگا سہائے صاحب نے نظامی مرحوم کو کسی زمانہ میں پڑھایا تھا ان سے جو تعلقات مولانا نظامی مرحوم کے رہے اس کا اندازہ بابو رگھبیر سہائے موصوف کے بیان سے ہوگا وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"مولانا نظام الدین حسین صاحب نظامی میرے والد بزرگوار بابو گنگا سہائے صاحب کے شاگرد تھے یہ استاد شاگرد کا رشتہ شاید سنہ [illegible]ء سے پہلے کا ہوگا لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا میں نے بھی دیکھا کہ نظامی صاحب میرے والد کی وفات کے وقت تک یعنی سنہ [illegible]ء تک ان کو استاد ہی مانتے رہے اور جیسی کہ استاد کی عظمت ہمارے ہندو اور مسلمانوں کے یہاں چلی آئی ہے ویسی تعظیم کرتے رہے مجھے دونوں ہی بڑے بوڑھے معلوم ہوتے تھے لیکن پھر بھی رشتہ چھوٹے بڑے کا تھا۔

میرے ساتھ نظامی صاحب کا رشتہ بھائی بھائی کا رہا۔ اگرچہ وہ عمر میں مجھ سے بہت بڑے تھے ہمیشہ انھوں نے اپنے اخبار "ذوالقرنین" کے ذریعہ سے مجھے پوری پوری امداد دی اور خلوص محبت کا برتاؤ رکھا۔ وقتاً فوقتاً صلاح مشورہ دیتے رہتے تھے اور میرے رنج و خوشی میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے بزرگ دوست مولانا طفیل احمد صاحب مرحوم بھی مجھ پر نظر عنایت رکھتے تھے اور جب کبھی بدایوں تشریف لاتے تھے مجھ سے بغیر ملے نہ جاتے تھے مولانا نظامی صاحب ان چند آزاد خیال ہستیوں میں سے تھے جنھوں نے کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا کہ آزادی کے ساتھ رائے کو ظاہر کرنے سے اُن کے اخبار ذوالقرنین پر کیا اثر پڑے گا۔ عام مسلمان ان کے خیالات سے متفق نہیں تھے لیکن پھر بھی وہ جس چیز کو مناسب خیال کرتے تھے اپنے اخبار کے ذریعہ ہمیشہ اس کو ظاہر کرتے تھے اور دوسروں

کو بھی موقعہ دیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ۲۵-۱۹۲۴ء میں جب بدایوں میونسپلٹی کا ممبر تھا چونگی کے معاملات کی نکتہ چینی کے سلسلہ میں میرے کالم کے کالم ذوالقرنین میں نکلے اور جب تین سال بعد میری ممبری کی میعاد ختم ہوئی تو نظامی صاحب نے اپنا ایڈیٹوریل کے ذریعے سے میرے کام کی داد دی۔ پچھلے نازک دور میں جبکہ زیادہ تر لوگوں کے خیالات قوم و فرقہ پرست ہو گئے تھے نظامی صاحب اس سے بالاتر رہے اور اپنے اخبار کو فرقہ وارانہ دلدل سے بچاتے رہے یہی وجہ تھی کہ ۳۸-۱۹۳۷ء کی کانگریسی وزارت کے دوران میں حکومت یو۔ پی کی نظر میں ایک خاص وقعت پائی اگرچہ ذوالقرنین کی اشاعت بہت زیادہ نہ رہی لیکن اسے پختگی خیالات اور صحیح رائے کے اعتبار سے ہمارے صوبہ میں ایک اونچی جگہ حاصل رہی۔ یہ سب نظامی صاحب ہی کی بدولت تھا ان کو تعلیمی معاملات میں ہمیشہ دلچسپی رہی۔ مخلوط انتخاب کے وہ ہمیشہ حامی رہے۔ علمی ادبی مضامین میں او بعض خاص دلچسپی تھی۔ نظامی صاحب باوجود اختلاف رائے اپنے اخبار میں کبھی سخت الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ ان کی وفات سے بدایوں شہر کو ہی نہیں بلکہ علمی اادبی اخبار کی دنیا کو ایک عظیم نقصان پہونچا ہے"

۷۔ وفات: قریب چھ سال ہوئے کہ جب مولانا نظامی صاحب کی آنکھوں نے جواب دے دیا تھا۔ موتیا بند کا پانی آنے لگا تھا۔ جونہی موتیا بند کا پانی پک گیا فوراً آنکھ بنوانے کی فکر ہوئی۔ اتفاق سے بدایوں میں میرس ہاسپٹل میں تبدیل ہو کر ڈاکٹر بابو رام پرشاد صاحب گپتا اسسٹنٹ سرجن تشریف لے آئے آپ آنکھوں کے اپریشن میں بہت ہی ماہر ہیں۔ آپ سے رجوع کیا گیا۔ آپ نے ۵ نومبر ۱۹۴۲ء کو آنکھ کا اپریشن کر دیا۔ آنکھ بالکل ٹھیک ہو گئی جس سے وہ پڑھنے لکھنے کا کام بخوبی آخر وقت تک کرتے رہے مگر اسی زمانہ سے مثانہ کی بیماری پیدا ہو گئی

کبھی کبھی پیشاب بند ہو جاتا تھا۔ سلائی وغیرہ پاس کرانے سے عارضی افاقہ ہو جاتا تھا مگر مکمل ازالہ مرض نہ ہوا کبھی کبھی تکلیف ہو جاتی تھی با ایں ہمہ ان کے مشاغل اور سفر برابر جاری رہتے تھے جب ۸؍مئی کو بخار آیا تو یہ خیال آیا کہ شاید لُو لگ گئی ہے چار دن شدید بخار رہا۔ بخار پانچویں روز اتر گیا مگر مثانہ کی تکلیف شروع ہو گئی بار بار سلائی پاس کرانا پڑتی۔ اس سے کمزوری زیادہ ہو گئی۔ اس بیماری کی حالت میں بھی جب ذرا آپ کو سکون ہوتا تھا تو اخبار اور ضروری خط سنتے تھے بعض بعض خطوط کے جواب بھی لکھوا دیتے تھے۔ اکثر اپنے صاحبزادہ احیب ۔۔۔۔ الدین اور دونوں لڑکیوں۔ دونوں دامادوں۔ پوتے نواسوں کو جو ان کی تیمارداری میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے اپنی زندگی کے حالات سناتے اور بہت سی نصیحتیں کرتے تھے۔ نظامی صاحب کو ڈاکٹر کیدار ناتھ صاحب گوئیل ایم۔ بی۔ بی۔ ایس پر اعتماد تھا ڈاکٹر صاحب بھی ان کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے اس لئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہمہ وقت اُن کی خبر گیری رکھی اور انھیں کی رائے سے مختلف ڈاکٹروں کا مشورہ بھی لیا گیا مگر چونکہ وقت آ گیا تھا اس لئے سب تدبیریں بیکار گئیں۔

۸؍جون ۱۹۵۵ء ساڑھے بارہ بجے رات کو باتیں کرتے کرتے کلمہ پڑھا اور عالم جاودانی کی راہ لی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ ان کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ ساڑھے ۹ بجے صبح کو اپنے خاندانی قبرستان محلہ سرائے میں دفن ہوئے۔ جنازہ کے ساتھ شہر کے معززین خاندان کے افراد کا کثیر مجمع تھا۔ مولانا سید آصف علی صاحب نے جنازہ کی نماز پڑھائی آپ کی عمر سنِ عیسوی کے حساب سے ۷۷ سال کی ہوئی۔ جب انتقال کی خبر ملک کے انگریزی اور اردو اخبارات میں شائع ہوئی تو ان کے احباب اور ملنے والوں کے

سیکڑوں تعزیتی خطوط اور تار آنے لگے۔ اخبار "پانیر" لکھنؤ نے اپنی گیارہ جون سنہ ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں ان کی زندگی کے مختصر حالات اور ان کی تصویر شائع کی اور اس طرح بہت سے اخبارات نے ان کا ماتم کیا۔ شعراء نے قطعہ تاریخ اور نظمیں لکھ کر بھیجیں جن کی تفصیل آپ کو باب ہفتم میں ملے گی۔ ۷ اگست سنہ ۱۹۳۸ء کو ذوالقرنین کا ایک خاص نمبر نظامی نمبر کے نام سے شائع ہوا جس میں ملک کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنے اپنے خیالات نظامی صاحب کے متعلق ظاہر فرمائے۔

باب ہفتم

قطعات تاریخ انتقال مشاہیر کے پیغامات

اور

ملک کے اخبارات میں ماتم

از خان بہادر مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی

آہ نظامی!

رشتۂ محکم مہر و وفا کا آنکھ جھپکتے ٹوٹ گیا
خون کے آنسو روؤں نہ کیونکر ہائے نظامی چھوٹ گیا

پھول جو ہیں مرجھائے ہوئے ہیں کلیاں مسکی مسکی ہیں
اس کے سدھارے رنگ چمن کا قبل خزاں کے ٹوٹ گیا

باہم ایسی مودت تھی گویا اک جان دو قالب تھے
ڈھونڈتی ہیں اب اس کو آنکھیں حیف وہ ساتھی چھوٹ گیا

کس سے کہیے اور کیا کہیے حال زبوں و زار اپنا
دل کہ تپکتا چھالا تھا اک ٹھیس لگی اور پھوٹ گیا

غم کی جراحت ریزی کا اُف اُف تیر چلے تلوار چلی
سانس جو لی یہ گمان ہوا چھاتی کوئی جیسے کوٹ گیا

ملتی تھی جس سے داد سخن کی زمیں زمیں وہ ہو گیا	رنگیں بیاں وہ شعر کہے کیا دل تو آتش کا لوٹ گیا

شعر خوانی کا مزہ جاتا رہا	گلفشانی کا مزہ جاتا رہا
کون سمجھے گا زباں جذبات کی	ترجمانی کا مزہ جاتا رہا
تذکرہ سنجی میں کہا ہیں اب کچھ سواد	تر زبانی کا مزہ جاتا رہا
قدرداں ایسا کہاں سے لائیے	خوش بیانی کا مزہ جاتا رہا
خاک اڑتی ہے چمن میں تو اڑے	باغبانی کا مزہ جاتا رہا
میزبان مہمان ہو کر میزبان	اس کہانی کا مزہ جاتا رہا
ناز اٹھانے والے جو تھے اٹھ گئے	سرگرانی کا مزہ جاتا رہا
نامرادی کا سہارا ڈھونڈئیے	کامرانی کا مزہ جاتا رہا
شادمانی بے نظامی ہے غلط	شادمانی کا مزہ جاتا رہا

داغ کا مصرعہ اثر دہرائیے
"زندگانی کا مزہ جاتا رہا"

قطعات

(حضرت شاد صدیقی بدایونی)

حادثہ جو تھے ہے اس کو فنا بھی ضرور ہے	جاری جہاں میں روز ازل سے یہ رواج
روئیں نہ کیوں جناب نظامی کو آج ہم	ان کی حیات ان کی قضا کی بنی خراج
آئی قضا جناب نظامی کو اور یہاں	دل وقف غم ہے باعث صد رنج کرب آج
کیسے نہ آج خون جگر آنکھ سے بہے	لازم لہو کا دل کرے جو اشکوں کا امتزاج
وہ صاحب کمال جو دنیا سے اٹھ گیا	علم و عمل کے دہر کی سونی ہوئی سماج

خدمت ادب کی، ملک کی، اور اہل قوم کی — بس یہ نظامی اس ادیب یگانہ کا تخت و تاج

تھی فکر سال شاد کہ ہاتف نے یوں کہا
کہ خلد پاک میں ہیں نظامی مکین آج

۱۹ ۵ ۴۷

(قاضی ظہور الحسن صدیقی حمیدی برقؔ بدایونی)

برقؔ

کس کو حاصل ہے یہاں عمر دوامی اے برقؔ — چل دیئے چھوڑ کے ہم سب کو نظامی اب کے

کہہ کے لبیک ہوئے دار فنا سے رخصت — جب سنا پیک اجل حق کا پیامی اے برقؔ

فاضل علم و ادب، کامل فن، خادم قوم — خوبیاں جمع تھیں یہ ان میں تمامی اے برقؔ

فکر تاریخ جو کی میں نے تو رضواں نے کہا
دیکھئے آ گئے جنت میں نظامی اے برقؔ

۱۹ ء ۴۷

(قاضی خلیل الرحمن خلیلؔ حمیدی بدایونی)

گرچہ مرنے کو خوشی سے کوئی راضی نہ سہی — ہے سفر شرط نہ ہو راہ میں ساتھی نہ سہی

آیا وہ دن کہ نظامی بھی ہوئے سب سے جدا — تھے وہ اک مرد جری مانا کہ غازی نہ سہی

سترہ ماہ رجب تیرہ سو چھیاسٹھ ہجری — یہ تھی تاریخ وفات ان کی کو شمسی نہ سہی

ان کے لب پہ دم آخر تھا یہ شعر غالبؔ — جس کا ہر لفظ تھا اک راز جو مخفی نہ سہی

"ایک ہنگامے[1] پہ موقوف ہے گھر کی رونق — نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی"

۱؎ اس زمانہ میں نظامی صاحب کی پوتی کی شادی ہونے والی تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی سے مایوس ہو کر یہ شعر پڑھا تھا۔

(از ضیاء القادری البدایونی)

زندگی موت کا اک منظر ہے — لاکھوں افراد گرامی نہ رہے
ہیں کہاں انوری و قاآنی — حافظ و عرفی و جامی نہ رہے
آہ مولانا نظامی مرحوم — تھے جو احباب کے حامی نہ رہے
ہے بدایوں میں عجب قحط الرجال — لوگ نام آور و نامی نہ رہے
سرد ہے انجمن ذو القرنین — قوم و ملت کے پیامی نہ رہے

اے ضیاء سال وفات مرحوم
کہیئے صد آہ نظامی نہ رہے

۱۳ ھ ۶۶

(از حکیم کفیل الدین عالی بدایونی)

کس زباں سے کہیں چھوٹا وہ رفیق ہمدم — آنکھ خونبار ہے اشکوں سے تو دل ہے مغموم
سال ترحیل جو کہنے کیلئے ہم بیٹھے — آئی نالہ سے صدا: آہ نظامی مرحوم

۱۳۰۱ + ۶۴۶

۱۹۴۷ء

(سید ابو العلا نظر احمد صاحب نیا افقوں سہسوانی)

جو تھا حُسنِ اخلاق میں دُرِ یکتا — کہ حاصل تھی جس کو فضیلت تمامی
سیاست کے فن میں تھا آزاد طبیعت — کبھی رائے میں کی نہ اُس نے غلامی
کیا راہِ مولا میں سر اس نے جب خم — فرشتوں نے دی اسکو بڑھ کر سلامی
پیامِ قضا سے نہ منہ اس نے موڑا — گئی سیدھی جنت کو ذاتِ گرامی

پڑھا اس کی رحلت پہ ہاتف نے مصرعہ
گئے آج اللہ کے گھر نظامی

۱۳ ھ ۶۶

(حضرت عبد الجامع صاحب جامی بدایونی)

عیاں اب بھی آثار ہیں برتری کے — گرامی ہے کیسا گرامی کا مرقد
کہا مجھ سے تاریخ رحلت نے جامی — سر قبر لکھئے نظامی کا مرقد

۱۳۶۶ھ

پیغامات

(آنریبل ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر ترقیات بہار پٹنہ)

"نظامی صاحب میرے بہت ہی پرانے دوست تھے اور ان سے مجھے ایک خاص انسیت و محبت تھی اور وہ بھی مجھ پر جیسا آپ کو معلوم ہے بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ مجھے اس خبر نے بہت قلق ہوا۔ اور میں اس کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ میں ارادہ کر رہا تھا کہ جولائی میں رانچی جا کر ان کو ایک مہینے کے لئے بلا کر ساتھ رکھوں گا اور ان کی محبت سے لطف اٹھاؤں گا مگر افسوس میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ آپ کو اپنے باپ کی موت پر جتنا بھی صدمہ ہو وہ تھوڑا ہے خدا آپ کو صبر جمیل عطا کرے۔"

(پروفیسر عبد المجید قریشی سابق چیرمین شعبۂ ریاضی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

"ہمارے درمیان سے ایک بہت بڑا قومی کارکن اور شیدائے ملت رخصت ہوگیا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مرحوم کو محبت اور شفقت اور خلوص بے نظر خصوصیت تھی مولانا سید طفیل احمد صاحب کے بعد نظامی صاحب کا بہت بڑا سہارا تھا جو ٹوٹ گیا۔ مرحوم کی زندگی ہر اعتبار سے انتہا درجہ مفید کاموں میں صرف ہوئی۔ اور ان کی خدمات جلیلہ ہمیشہ یادگار رہیں گی اور قابل تقلید۔"

(خان بہادر مولوی حبیب اللہ خاں لاینفسر علیگڑھ)

"نظامی صاحب کے انتقال پُر ملال کا حال معلوم ہوا۔ دلی قلق ہوا۔ تار کل ہی روانہ کیا ڈاک کا وقت نہ تھا اب خط لکھ رہا ہوں۔ اگرچہ آنکھوں میں سخت تکلیف ہے۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔"

(حافظ محمد صدیق صاحب ناظم تعلیم رئیس کانپور)

"مولوی نظامی صاحب کی تعلیمی خدمات کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ ان کی وفات سے قوم کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہونچا ہے۔ میں اس غم میں آپ کا شریک ہوں۔"

(قاضی عبد الغفار صاحب حیدر آباد دکن)

"مولانا نظامی مرحوم و مغفور اس قدیم شرافت اور وضعداری کا نمونہ تھے جو افسوس ہے کہ اب اس ملک میں فنا ہوتی جاتی ہے۔ مرحوم نے آخر تک وضعداری کو نباہا چنانچہ وہ اپنے عزیزترین دوست مولوی سید طفیل احمد صاحب مرحوم کے بعد زیادہ دن اس دار فانی میں نہ رہ سکے اور اپنے ساتھ وہ بہت سی خوبیاں

رہے گے جن کی وجہ سے یہ لوگ گذرتے ہوئے عہد کی ایک دلنوا یادگار بن گئے تھے۔"

(شیخ وجیہ احمد صاحب پارلیمنٹری سکریٹری)

"مرحوم کی زندگی قومی خدمات اور ادبی خدمات سے لبریز ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ آپ جیسا فرزند رشید اُن کی یادگار رہے۔ میں آپ کے غم میں شریک ہوں۔"

(خان بہادر میرزا جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی)

"وہ قدردان اُٹھ گیا جو اثر کی غزلوں میں گہرائی اور آفاقیت دیکھتا تھا۔ سیاسی، مذہبی مسائل کی طرف اشارے پاتا اور ان کا حل دریافت کرتا تھا۔"

(خان بہادر راس اللہ کاظمی الہ آباد افسر محکمہ توسیع تعلیم۔ یو۔ پی)

"نظامی صاحب کی موت کا حال معلوم ہو کر قلب پر ایک دھکا سا لگا افسوس کہ ہم لوگوں کے بزرگوں میں ایک اور کمی ہوگئی۔"

(سید الطاف علی صاحب ہیڈ اسسٹنٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ)

"نظامی صاحب کا دردِ دلی شغف علمی، جوش تحقیق اور بے پناہ محنت نے ان کو عہد حاضر کے مشاہیر کی صف میں کھڑا کر دیا تھا۔ ان کی تصانیف اور تالیف اور اخباری مضامین نیز نظموں وغیرہ کو یکجا پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو حیرت

ہوتی ہے کہ ایک تنہا متوسط الحال انسان کس قدر کام کرسکتا ہے ملک کی مشہور علمی، ادبی، انجمنوں کے کام اور تنہا نظامی صاحب کے کام کے مقابلہ میں رکھا جائے تو نظامی صاحب کے کام کا وزن زیادہ نکلے گا۔"

(خواجہ غلام السیدین صاحب سرشتہ تعلیم حکومت بمبئی)

"قوم کے پرانے خادم ایک ایک کرکے اٹھتے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ تہذیب اور انسانیت کے پرانے سانچے جو صدیوں کی تعلیم و تربیت نے بنائے تھے ختم ہوتے جاتے ہیں۔ نظامی صاحب اسلامی اور ہندوستانی تہذیب کے بعض نہایت قابل قدر اور اہم ورثہ کے حامل تھے۔ محنت دیانتداری، دردمندی، اپنی فکر سے زیادہ دوسروں کی فکر اور غم روزگار سے زیادہ غم عشق اعلیٰ مقاصد کی لگن اور ان کو حاصل کرنے کی جد وجہد نام سے زیادہ، کہیں زیادہ، کام کا خیال یہ سب وہ نعمتیں ہیں جو فرد کو انسان بناتی ہیں اور جماعت کی زندگی کی بے معنی پورش میں معنی پیدا کرتی ہیں۔ لیکن ہماری آجکل کی زندگی میں یہ صفتیں دن بدن مفقود ہوتی جاتی ہیں اور ان کے بجائے نفسا نفسی کا، جاہ طلبی کا، شہرت پسندی کا، چھین جھپٹ کا، خدمت کے بجائے نفرت کا دور دورہ ہے نظامی صاحب مرحوم اپنی عمر طبیعی کو پہونچکر ہم سے رخصت ہوئے اور وہاں پہونچ گئے جہاں کا انعام و اکرام اور قدرشناسی کا معیار یہاں کے اعتراف اور قدرشناسی سے بہت مختلف ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ ایک بڑی محرومی ہے۔ کیونکہ نہ معلوم اس قسم کے دوسرے سانچے کب تک بن کے تیار ہوں گے اور ہماری نئی نسل کا رشتہ ان اچھی قدروں کے ساتھ کب جاکر قائم ہوگا۔ انھوں نے خاموش اور بے نفس خدمت کو اپنا آئیڈیل بنایا تھا ان کی خدمت میں اپنا اعتراف پیش کرکے ہم کم سے کم اس آئیڈیل کے ساتھ زبانی

عقیدت کا اظہار کر سکتے ہیں"۔

(قاضی نصیر الدین احمد صاحب الکفنوری ریٹائرڈ انسپکٹر مدارس یو۔پی)

"مولانا بڑی خوبیوں کے شریف النفس انسان تھے۔ مجھے تقریباً چالیس سال سے نیاز حاصل تھا اُن کے خلوص اور نیک نیتی کو ہمیشہ مستحکم پایا مرحوم کو دوران نیاز میں کبھی کسی کی بُرائی کرتے یا کہتے ہوئے نہیں پایا۔"

(نواب زادہ حکیم ناصر الدین احمد خاں صاحب الطبیب خاص سرکار حیدر آباد دکن)

"مرحوم وطن مالوف کی علمی دنیا میں آپ اپنی مثال تھے اور نہایت وضعدار یک رنگ دنجتہ مزاج بزرگ تھے۔"

(قاضی عزیز الدین احمد صاحب بلگرامی ریٹائرڈ کلکٹر از اجمیر شریف)

"جو آیا ہے اُسے جانا ہے مشیت ایزدی میں چارہ نہیں مرحوم نے کافی عمر پائی اور اپنی عمر کا بہترین حصہ ملکی اور قومی خدمات میں صرف کیا۔ اس نمونہ کے لوگ اب کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مولوی طفیل احمد کا غم تازہ تھا اس پر یہ دوسرا صدمہ ہوا۔"

(میاں عبد المجید صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار)

"نظامی صاحب ملت کے پرانے خادم اور نہایت خاموشی سے کام کرنیوالے لوگوں میں سے تھے جس قدر انھوں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کام کیا ہے شاید چند ہی اللہ لوگوں نے کیا ہو آج میں نے اپنے تمام رفیق کار کے ہمراہ مرحوم کیلئے دعا فاتحہ پڑھی۔"

(خواجہ مسعود علی صاحب ذوقی پرنسپل حافظ صدیق مسلم اسلامیہ کالج ایٹہ)

"مرحوم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ ان کی ادبی و قومی خدمات کو آسانی سے بھلایا نہیں جا سکتا۔ اس صدمہ میں مجھے آپ کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ اور دست بدعا ہوں کہ خداوند تعالےٰ مرحوم کی روح پر ہزاروں رحمتیں نازل کرے۔"

(مولوی انیس الرحمٰن صاحب ایڈیٹر نئی زندگی الہ آباد)

"میں مولانا کی تعلیمی اور قومی خدمات کا بیحد قائل ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مولانا طفیل احمد مرحوم اور مولانا نظامی مرحوم کے بعد یہ میدان قطعی خالی ہو گیا۔"

(مولوی شاکر علی خاں صاحب رئیس شاہ پور کٹیہو ضلع شاہجہانپور)

"خبر انتقال مرحوم سے جانکاہ صدمہ ہوا۔ میرے ان کے مراسم دیرینہ تھے اور بے تکلف دوست تھے۔ ظہیر کے ابتدائی قیام سے شاہجہانپور کے آخری زمانہ تک محبت میں اضافہ ہوتا رہا۔ اجراء اخبار کے مشورہ میں شریک رہا۔ اس کے بعد تفکرات دنیوی میں دونوں مبتلا ہو گئے لیکن محبت قائم رہی۔ مرحوم کا قول کہ میں شاداب باغ چھوڑ رہا ہوں بے شک و شبہ صحیح ہے۔ لیکن بھائی کل من علیہا فان۔ مشیت ایزدی میں انسان کا چارہ نہیں۔ مرحوم کو خدا اعلیٰ علیین عطا فرمائے آمین اور سب کو صبر کی توفیق دے۔"

ملک کے اخبارات میں ماتم

نظامی صاحب مرحوم کی وفات کی خبر ملک کے مشہور انگریزی اور اردو اخبارات نے شائع فرمائی اور مرحوم کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار بھی فرمایا۔

افسوس ہے کہ سب اخبارات دستیاب نہ ہو سکے صرف اُن اخبارات سے جو دفتر ذوالقرنین میں آتے ہیں چند اخبارات کے اقتباس ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:-

(اخبار پانیر لکھنؤ)

بدایوں ۱۱ جون

سنیچر کی رات کو مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی مدیر و بانی نظامی پریس اور اخبار ذوالقرنین ہفتہ وار نے نہایت قلیل مدت کی علالت کے بعد بعمر ۷۵ سال بدایوں میں اپنی قیام گاہ پر رحلت فرمائی۔ ذوالقرنین بدایوں کا سب سے پرانا اردو اخبار ہے جس کو چالیس برس گذرے مولوی نظام الدین حسین نے جاری کیا تھا۔

تعلیمی کاموں اور مشاغل میں مولوی نظام الدین حسین مولانا طفیل احمد مرحوم کے سچے ساتھیوں میں سے تھے۔ مرحوم نے ایک لڑکا۔ دو لڑکیاں پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں چھوڑیں (اس کے ساتھ نظامی صاحب کا فوٹو بھی شائع ہوا ہے)

(ایڈیٹر ایس۔ این۔ گھوش، ۱۲ جون

(اخبار نیشنل ہیرلڈ)

بدایوں ۱۰ جون

مولانا نظامی بدایونی ایڈیٹر ذوالقرنین صرف دس روز کی علالت کے بعد سنیچر کی شب میں انتقال کر گئے۔ مرحوم نے ۷۶ سال کی عمر پائی۔ آپ کی تمام زندگی تعلیمی اور اصلاحی کاموں میں گذری۔ ہفتہ وار اخبار ذوالقرنین کے علاوہ جو آپ نے سنہ ۱۹۰۲ء میں جاری کیا تھا آپ کی کئی اور تصانیف بھی ہیں مثلاً قاموس المشاہیر شرح دیوان غالب، افسانی اوہام وغیرہ۔   ۱۱ جون

(اخبار قومی آواز لکھنؤ)

آہ مولانا نظامی! مولانا نظامی بدایونی کے انتقال سے ملک اور مسلمان ایک مخلص مصلح سے محروم ہو گئے۔ مولانا اپنی ضعیفی کے باوجود آخر دم تک ملک و قوم کی خدمت کرتے رہے۔ وہ سیاست کے مرد میدان نہیں تھے لیکن مستقبل کے ایک ثابت قدم معمار تھے۔ سیاسی آندھیاں ان کو ایک ملے کے لئے بھی اصلاحی کاموں سے نہ ہٹا سکیں۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی تعمیر اور ترقی میں اونھوں نے بہت سرگرمی سے حصہ لیا۔ حجاج کی تکالیف دور کرنے کے لئے اونھوں نے حج کمیٹی میں کام کیا۔ مسلم اوقاف کی حالت درست کرنے کے لئے بھی اونھوں نے انتہائی کوشش کی۔

اپنے اصلاحی کاموں میں اُن کو اپنی ادبی صلاحیتوں سے بڑی مدد ملی۔ وہ ایک اچھے نثر نگار اور شاعر بھی تھے۔ مولانا نظامی بدایونی مولانا طفیل احمد صاحب منگلوری کے ساتھیوں میں سے تھے اُن کی مشہور کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" کی ترتیب اور اشاعت میں ایک شریک کار تھے۔ مولانا طفیل احمد صاحب کے انتقال کے بعد مولانا نظامی ان کے کام کو آگے بڑھا رہے تھے اور ان کی یادگار کے قیام کے لئے کوشاں تھے کسے معلوم تھا کہ وہ اتنی جلدی ان سے جا ملیں گے۔ خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(ایڈیٹر حیات اللہ انصاری) ۱۱ر جون

(اخبار انجام دہلی)

بدایوں ۱۰ر جون

مولانا نظامی بدایونی جو صوبہ یو۔ پی کے ایک پرانے جرنلسٹ تھے سنیچر کی شب میں انتقال کر گئے۔ مرحوم عرصے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ

کے جنرل سکریٹری بھی تھے۔ ہم مرحوم کے پسماندگان سے ہمدردی کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے۔

(ایڈیٹر محمد عمر فاروقی) ۱۳ رجون

(اخبار وحدت دہلی)

بدایوں ۱۰ رجون

یہ خبر نہایت افسوس سے سُنی جائے گی کہ یو۔پی کے قدیم اخبار نویس مولوی نظام الدین حسین نظامی مالک و ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کہنہ مشق اخبار نویس بہترین شاعر اور اعلیٰ درجہ کے نثر نگار تھے آپ چالیس سال سے اپنا ہفتہ وار اخبار ذوالقرنین کامیابی سے چلا رہے تھے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے آپ کو عشق تھا۔ کچھ عرصہ سے آپ اس کے آنریری جنرل سکریٹری بھی تھے۔ مرحوم کا انتقال صحافتی برادری و علمی دنیا کا اہم نقصان ہے۔ اس حادثہ میں ہم جملہ پسماندگان کے عموماً اور مرحوم کے جانشین مسٹر احمد الدین کے خصوصاً شریک غم ہیں اور ہماری دعا ہے کہ خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

(ایڈیٹر عبد الواحد عثمانی) ۱۴ رجون

(اخبار تنویر لکھنؤ)

یہ افسوسناک اطلاع موصول ہوئی ہے کہ جناب نظامی بدایونی مدیر ذوالقرنین بدایوں کا ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نظامی پریس بدایوں کے مالک تھے آپ کے پریس میں متعدد قابل قدر کتابیں چھپی تھیں۔ قاموس المشاہیر، مراتی انیس خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مرحوم کا اخبار بھی اپنے رنگ میں منفرد ہے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سے خاص دلچسپی لیتے تھے اور پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس خاص طور سے آپ کی دلچسپیوں کا مرکز تھی ہم مرحوم کے پسماندگان سے اس حادثہ میں ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ ۱۳ رجون

(اخبار سوراجیہ دہلی)

کل ۸ رجون کی شب میں مولانا نظامی صاحب جو ذوالقرنین اور نظامی پریس کے بانی تھے اور جنھوں نے ۴۲ سال ذوالقرنین کی ایڈیٹری کی اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہوگئے۔ آپ نے اردو ادب کی بے پناہ خدمت کی اور تقریباً اسی نوے کتابیں بڑے بڑے مصنفین کی شائع کیں قومی کاموں میں ہمیشہ دلچسپی لیتے رہے آپ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس یو۔پی سنٹرل وقف بورڈ اور یو۔پی مکتب کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی رہے۔ بدایوں کے حافظ صدیق انٹر کالج کے بھی آپ بانی تھے جو اس وقت چل رہا ہے اور بہت سے انسٹی ٹیوشن بھی آپ کی قائم کی ہوئی ہیں غرض ساری زندگی قومی کاموں میں گذار دی۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ اولاد میں آپ نے دو لڑکیاں جو اپنے گھر کی ہیں اور مسٹر احمد الدین جو اس وقت ذوالقرنین کے ایڈیٹر ہیں چھوڑے۔ نظامی پریس ملک میں اپنی عمدگی کام اچھے اچھے پبلیکیشن کی وجہ سے ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔

(ایڈیٹر خمیمہ ناتھ چوپڑہ) ۲۰ رجون

(اخبار حقیقت لکھنؤ)

بدایوں کی ایک اطلاع سے یہ معلوم کر کے دلی رنج وصدمہ ہوا کہ مولانا نظامی بدایونی صاحب ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں صرف دس روز کی علالت کے بعد سنیچر کی شب کو انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے ۷۷ سال کی عمر پائی۔ آپ کی تمام زندگی تعلیمی اور اصلاحی کاموں میں گذری۔ ہفتہ وار اخبار ذوالقرنین کے علاوہ جو آپ نے سنہ ۱۹۱۰ء سے جاری کیا تھا آپ کی کئی اور تصانیف بھی ہیں مثلاً قاموس المشاہیر، شرح دیوان غالب، انسانی اوہام وغیرہ۔ ہمیں اس سانحہ میں مرحوم کے صاحبزادے موجودہ ایڈیٹر ذوالقرنین اور دیگر پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے اللہ تعالے مرحوم کی روح کو جنت نصیب کرے۔

(ایڈیٹر انیس احمد عباسی) ۱۳ر جون

(اخبار آزاد کانپور)

ادبی وعلمی دنیا میں عموماً مگر اخباری دنیا میں خصوصاً یہ خبر وحشت اثر نہایت اندوہ و ملال کے ساتھ سنی جائے گی کہ رسالہ زمانہ و اخبار آزاد کانپور کے دیرینہ عنایت فرما۔ یو۔پی کے بہت پرانے اخبار نویس اور اردو ادب کے بہت بڑے شیدائی جناب نظام الدین حسین مالک و بانی و ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں کا چند روز علیل رہ کر انتقال ہو گیا۔ مرحوم ہمارے بڑے کرم فرما تھے جب کانپور تشریف لاتے تھے تو ملاقات کئے بغیر کبھی نہ جاتے تھے اللہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں مقام اعلیٰ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(ایڈیٹر سری نرائن نگم) ۱۴ر جون

(اخبار البشیر اٹاوہ)

دلی رنج اور افسوس کے ساتھ یہ خبر شائع کی جاتی ہے کہ مولوی نظام الدین حسین ایڈیٹر اخبار ذوالقرنین بدایوں و سکریٹری پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے دس روز کی علالت کے بعد اس دنیائے فانی سے رحلت کی۔ مولوی صاحب مرحوم ان چند مسلمانوں میں سے تھے جن کو مسلمانوں کی تعلیم سے دلچسپی رہی علاوہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ممالک متحدہ کے ممبر ہونے کے وہ مختلف تعلیمی سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ممبر بھی تھے اسلامیہ مشن ہائی اسکول قایم کرنے کی جب تحریک شروع ہوئی تو وہ اس کے نمایاں کام کرنے والوں میں سے تھے اسلامیہ مشن ہائی اسکول جو آج کالج ہے وہ اس کی مینجنگ کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ وہ ایک بڑے ادیب اور اچھے شاعر بھی تھے اور کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ اونہوں نے اپنے پریس سے اردو کی بہت سی کتابیں شائع کیں۔ وہ محنتی اور کفایت شعار تھے۔ ان کی ترقی ذاتی محنت اور کفایت شعاری کی بدولت تھی پچھلے پچیس برس میں جو مختلف سیاسی تحریکیں ملک میں خصوصاً مسلمانوں کی پیدا ہوئیں ان سب میں وہ اعتدال پسند پالیسی کے حامی تھے عام طور پر وہ عملی سیاست سے علحٰدہ رہے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کا انتہا پسند طبقہ اور بالخصوص بدایوں والے ہمیشہ ان کے مخالف رہے ان کی عمر تقریباً ۵۰ سال کی تھی تقریباً چالیس پینتالیس برس سے میرے اور ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ان کے انتقال کی وجہ سے ان کے پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے خدا سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو غریق رحمت کرے۔

(ایڈیٹر خان بہادر مولوی البشیر الدین)
۱۰ رجون

(اخبار صداقت کانپور)

"مولانا نظامی بدایونی بانی ذوالقرنین صرف دس روز کی علالت کے بعد سنیچر کی شب کو انتقال کر گئے۔ مرحوم نے ۷۷ سال کی عمر پائی، آپ کی تمام زندگی تعلیمی اور اصلاحی کاموں میں گذری۔ ہفتہ وار ذوالقرنین کے علاوہ جو آپ نے ۱۹۰۵ء میں جاری کیا تھا آپ کی کئی اور تصانیف بھی ہیں مثلاً قاموس المشاہیر، شرح دیوان غالب وغیرہ۔ ہم کو اس حادثہ میں اپنے مکرم دوست مسٹر احمد الدین نظامی بدایونی ایڈیٹر ذوالقرنین کے ساتھ دلی ہمدردی ہے اور ہماری دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور مسٹر احمد الدین و دیگر پسماندگان کو صبر عطا فرمائے۔"

-(ایڈیٹر خواجہ عبدالسلام) ۱۴ر جون

(روزنامہ اخبار بریلی)

"۷ر جون کے ذوالقرنین میں اطلاع تھی کہ اب مولانا نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی رو بہ صحت ہیں ۹ر جون کو میں خود مولانا کی مزاج پرسی کے لئے بدایوں روانہ ہو گیا۔ لیکن افسوس کہ وہاں پہونچ کر یہ معلوم ہوا کہ یہ ناقابل فراموش شخصیت ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی ہے۔ دل و دماغ پر مولانا کی بےلوث قومی خدمات اور قوم کے لئے روز و شب کی مصروفیات اُبھر آئیں اور نگاہوں میں مسلمانوں کے اس مخلص خادم کی صورت گھومنے لگی ایک عجیب غم و افسوس کی حالت میں بریلی واپس آیا اور مولانا کے سانحہ ارتحال کی زیر نظر تحریر تیار کی مولانا مرحوم نہ صرف میرے ہی شفیق و مہربان بزرگ تھے بلکہ میرے والد مرحوم بھی مولانا کا لحاظ کرتے تھے اور میں نے یہ دیکھا تھا کہ جب بھی مولانا بریلی آئے غریب خانہ پر

تشریف لائے بغیر واپس نہ ہوئے اُدھر جو پُرخلوص باتیں والد مرحوم کے ساتھ ہوئیں اور جس شفقت و مہربانی سے مجھ سے گفتگو فرماتے وہ سب مناظر آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔

مولانا مرحوم ہیلکنڈ کے ایک پرانے صحافی تھے ۴۵ سال سے ذوالقرنین شائع فرما رہے تھے پرا وِنشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سرگرم رکن اور جنرل سکریٹری تھے۔ صحافت اور تعلیمی ترقی کے شیدائی تھے۔ ذوالقرنین کے معیار کو کسی وقت بھی گرنے نہیں دیا سیکڑوں مواقع نظرانداز کر دیئے لیکن اپنے اصولوں پر آخر وقت تک قائم رہے ترقی تعلیم کے لئے ہر عملی اور تحریری جد وجہد کے واسطے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ جہالت ملک سے معدوم ہو جائے۔ ہر شخص دولت علم سے مالا مال نظر آئے۔ چنانچہ انتقال سے چار روز پہلے بھی علالت ہی میں ذوالقرنین کا "تعلیم نمبر" خود ہی ترتیب دیا۔ خداوند کریم قوم کو اس ہستی کا نعم البدل اور مغموم پسماندگان کو صبر عطا فرمائے۔ اور موصوف کو اپنی رحمت خاص سے نوازتے ہوئے اپنے قربِ خاص میں جگہ دے۔"

(ایڈیٹر میر الٰہی شمسی) ۱۴ جون

(اخبار ہمدرد دہلی)

"ادبی دنیا میں یہ خبر نہایت رنج و الم سے سنی جائے گی کہ ۸ رجون یوم یکشنبہ کو مولوی نظام الدین حسین نظامی صاحب مالک و مدیر اخبار ذوالقرنین بدایوں اس عالم سے تشریف لے گئے۔ آپ نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکریٹری کی حیثیت سے مسلمانوں کی خدمت انجام دی۔"

(ایڈیٹر صابر حسین صابری) ۱۶ رجون

(منادی دھلی)

"اجیب الدین صاحب ایڈیٹر اخبار ذوالقرنین بدایوں نے اطلاع دی ہے کہ ان کے والد مولانا نظام الدین حسین صاحب نظامی مالک نظامی پریس بدایوں شریف نے دس دن بیمار رہ کر دنیا سے منہ موڑ لیا وہ ساری عمر مسلمانوں کی تعلیمی اور قومی خدمات اپنے چھاپہ خانہ اور اپنے اخبار اور اپنے ذاتی مساعی سے کرتے رہے تھے اور آخر دم تک مردانہ وار مستعد سپاہیوں کی طرح قومی خدمات انجام دیں۔ اللہ تعالے بدایوں شریف کے اولیا اللہ کی برکت سے ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے سب پسماندگان خصوصاً مولوی اجیب الدین صاحب کو صبر کی ہمت عطا فرمائے اور مرحوم کے قومی کام اسی طرح جاری رہیں جس طرح ان کی زندگی میں جاری تھے۔"

(ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی، یکم جولائی)

(اخبار دلچسپ فتحپور)

"افسوس کہ وہ سے بُرانے ہمخیال دولت مولوی نظام الدین حسین نظامی ایڈیٹر اخبار ذوالقرنین بدایوں ۷۱ برس دنیا میں رہ کر اور بہت سے قومی کام کرکے چل بسے۔ اللہ تعالے جنت نصیب کرے رہزاروں خوبیوں کے انسان تھے۔"

(ایڈیٹر خاموش) ۸ جولائی

(اخبار دبدبہ سکندری رامپور)

"افسوس ہزار افسوس جناب مولانا نظام الدین حسین نظامی بانی اخبار ذوالقرنین بدایوں نے ۷ رجب ۱۳۶۶ھ ہجری مطابق ۸ جون ۱۹۴۷ء یوم یکشنبہ کو بوقت

ساڑھے بارہ بجے انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا خاص صفات کے بزرگ تھے اور علمی خدمتوں کے لئے بہترین دماغ رکھتے تھے۔ ذاتی صلاحیت اور قابلیت سے خاص ترقی کی۔ آپ کی علمی یادگار اخبار ذوالقرنین اور نسبتی یادگار لائق فرزند مسٹر احیاء الدین نظامی ہیں جن کے غم والم میں ہم برابر کے حصہ دار ہیں خدا تعالے مرحوم کی مغفرت کرے اور پسماندگان کو صبر بخشے۔"

(ایڈیٹر فضل حسن صابری) ۲۳ رجون

(اخبار مخبر عالم مرادآباد)

"ذوالقرنین بدایوں کے بانی اور اس کے مدیر اعلیٰ مولانا نظام الدین حسین نظامی کا ۹ رجون ۱۲ بجے شب کے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ہندوستان کے ان اخبار نویسوں میں شمار کئے جاتے تھے جنھوں نے ترقی پسند سیاست کی بنیاد قائم کی ہے۔ مرحوم نے نہ صرف ہندوستانی صحافت کو بلند کرنے کی مخلصانہ جد وجہد کی بلکہ اونھوں نے مسلمانوں کی تعلیمی حیثیت کو بلند کرنے کی خاطر ابتداہی سے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے تعلق رکھا اور یہ کہنے میں کوئی پس وپیش نہیں کہ مسلمانوں کی تعلیمی پستی کو ختم کرنے میں مولانا نظامی مرحوم کا نام صفحہ اوّل کے ریفارمروں میں رکھا جائے گا۔ مولوی صاحب مرحوم مولانا سید طفیل احمد مرحوم کے مخلص دوست اور ان کے مشن کو کامیاب بنانے والے سرگرم کارکنوں میں سے تھے۔ ہمیں ان کے خلف الرشید برادرم احیاء الدین نظامی سے اس صدمہ عظیم میں دلی ہمدردی ہے اور ہماری دعا ہے کہ خدا انھیں مرحوم کے سرسبز وشاداب باغ صحافت کو تروتازہ رکھنے میں کامیاب کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (ایڈیٹر سید جمیل رضوی) ۱۲ رجون

(اخبار پبلک مراد آباد)

"افسوس ہزار افسوس جناب مولانا نظام الدین حسین نظامی بانی اخبار ذوالقرنین بدایوں نے ۱۷ رجب المرجب [illegible] ہجری مطابق ۸ جون [illegible]ء یوم یکشنبہ کو بوقت ۱۲ ½ شب انتقال کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم خاص صفات کے بزرگ ہستی تھے اور علمی خدمتوں کے لئے بہترین دماغ رکھتے تھے۔ ذاتی صلاحیت اور قابلیت سے خاص ترقی کی۔ آپ کی علمی یادگار اخبار ذوالقرنین اور نسبی یادگار لائق فرزند مسٹر اجبار الدین صاحب نظامی ہیں جن کے غم و الم میں ہم برابر کے حصہ دار ہیں۔ خدائے تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق بخشے۔

(ایڈیٹر مرزا اسحاق بیگ)

(آگرہ اخبار)

یہ خبر نہایت افسوس سے سنی جائے گی کہ یو۔ پی کے قدیم اخبار نویس مولانا نظام الدین حسین نظامی صاحب مالک ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں کا انتقال ہو گیا

انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحوم کہنہ مشق اخبار نویس۔ بہترین شاعر اور اعلیٰ درجہ کے نثر نگار تھے۔ آپ ۴۰ سال سے اپنا ہفتہ وار اخبار ذوالقرنین کامیابی سے چلا رہے تھے۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے آپ کو عشق تھا۔ کچھ عرصہ آپ اس کے آنریری جنرل سکریٹری بھی رہے تھے۔ مرحوم کا انتقال صحافتی اور علمی دنیا کا اہم نقصان ہے۔ اس حادثہ میں ہم جملہ پسماندگان عموماً مرحوم کے جانشین مسٹر اجبار الدین کے خصوصاً شریک غم ہیں ہماری دعا ہے کہ خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے

(ایڈیٹر خواجہ شوکت حسین) ۲۱ جون ۱۶۴

اس کے علاوہ نظامی مرحوم و مغفور کی وفات کے سلسلہ میں تقریباً سو سوا سو دوستوں اور عزیزوں نے بذریعہ خطوط اور برقیات تعزیت فرمائی۔ جن کے اسمائے گرامی ذوالقرنین کے نظامی نمبر مورخہ میں شائع ہو چکے ہیں:-

مولانا نظامی بدایونی علیہ الرحمتہ کی چند ادبی تصنیفات

انقلاب دہلی ؏/	دیوان غالب مع شرح ے/	دیوان غالب بڑا سائز ؏/	انیس و دبیر کی پانچ تقریظیں ؏/	قاموس المشاہیر اول ے/
قاموس المشاہیر دوم ے/	بدایوں قدیم و جدید ۸/	کسوف الشمس ۴/	تجلیات سخن ؏	انسانی اوہام ؏
رنگین و انشا ؏/	قوم کی فریاد ۳/	بچوں کا حساب ۲/	نکات غالب عمہ/	مولود کی خوشی ۲/
فطرت کا دیس پریم اردو ؏	نظیر کا دیس پریم ہندی ؏	سیاحت ولیعہد اول ۸/	سیاحت ولیعہد دوم ۸/	اثر کے ڈیڑھ سو شعر ۴/
دیوان جان صاحب ے/	قومی حکومت کی کہانی ۲/	مسلم اوقاف کا قانون ۱۲/	گلدستہ دکن ۴/	پڑھو پڑھاؤ ۱۲/
رضیہ و مسعود ۱۲/	مثنوی صبح امید ۴/	مراثی انیس لعہ ۵/	نظامی بک ایجنسی کی فہرست مفت طلب فرمائیے	

پرنٹر و پبلشر

محمد احید الدین

ایف۔ آر۔ ایس۔ اے۔ لندن

مقام طبع۔ اشاعت۔ نظامی پریس بدایوں